ماہنامہ
الحقیقۃ
پاکستان
اگست 2005

سفرِ معراج شریف

زکوٰۃ اور ضروری مسائل

معراجُ النبی ﷺ اور جدید سائنس

چاند تارے کا پرچم

توہینِ قرآن کب تک برداشت ہوگی؟

جہنم سے فرار

اسماعیلی مذہب؟

حمد باری تعالیٰ

میرا خدا

جل شانہٗ

جو ہے سب کا خدا، سب سے بڑا، میرا خدا وہ ہے
نہیں جس کے سوا کوئی خدا، میرا خدا وہ ہے
کریم واحد و یکتا، وہ بے ہمسر، وہ بے ہمتا!
نہیں جس میں کوئی شرکت روا، میرا خدا وہ ہے
جو خالق ہے زمانے کا، جو رازق ہے زمانے کا
زمانہ جس کے در پر جبہ سا، میرا خدا وہ ہے
یہ جو کچھ بھی بنا، اس کے بنائے سے بنا بیشک
ہے جس کا کن، بنائے ہر بنا، میرا خدا وہ ہے
جسے چاہے بقا بخشے جسے چاہے فنا کر دے!
جو مالک ہے حیات و موت کا، میرا خدا وہ ہے
غنی و مغنی و منعم، کریم و اکرم و مکرم!!!
سبھی ہیں جس کے محتاج عطا، میرا خدا وہ ہے
زمین و آسمان، کیا کوہ ودریا، کیا مہ و انجم
ہے جس کے حکم کا اک اک بندھا، میرا خدا وہ ہے
وہ ہے میرا پیغمبر جس کو کہئے شافع محشر
جو ہے پرَ مالک روز جزا، میرا خدا وہ ہے
طفیل نقش لاثانی شفا پائے گا آسی بھی
کہ جس کے ہاتھ میں ہے سب شفا، میرا خدا وہ ہے

نعت حبیب ﷺ

میرا نبی

علیہ التحیۃ والثناء

ہیں جس پہ ختم حدیں قرب کی، میرا نبی وہ ہے
جو ہے سب انبیا کا بھی نبی، میرا نبی وہ ہے
زمین و آسماں میں جس کا ثانی ہی نہیں کوئی!
ملی جس کو دوعالم کی شہی، میرا نبی وہ ہے
زمانے بھر کا مولا، اپنے رب کا مظہر یکتا
جو ہے مقصودِ اوج بندگی میرا نبی وہ ہے
وہ دو عالم کا داتا، بندہ پرور سب زمانے کا
گدا جس کے نبی، شیخ و ولی، میرا نبی وہ ہے
وہ محبوبِ خدا، دلدار و دلبر سب خدائی کا
کمال حسن جس کی عاشقی، میرا نبی وہ ہے
وہ حسن و محسن و احساں، امین و مومن و ایماں
نہیں جس کے سوا چارہ کوئی، میرا نبی وہ ہے
رحیم و راحم و ارحم، علیم و عالم و اعلم
جو ہے غم خوار ضعف و بیکسی، میرا نبی وہ ہے
زمانہ کس قدر تاریک تھا، وحشت کا صحرا تھا
ملی دنیا کو جس سے روشنی، میرا نبی وہ ہے
جو تربت میں ہے زندہ، وہ ہے اے آسی مرا مرشد
جو ہے روح رواں زندگی میرا نبی وہ ہے

پروفیسر محمد حسین آسی

کس کا منہ ہے کہ بیاں کر سکے تیرے

یا ایہا النبی جاھد الکفار والمنافقین واغلظ علیہم
اے نبی! جہاد کرو کافروں اور منافقوں سے اور ان پر سختی کرو (التوبہ)

ملت دین حق کی عظیم تحریک شیران اسلام کا ترجمان

ماہنامہ

مجلہ الحقیقہ

پاکستان

رجب المرجب ۱۴۲۶ھ اگست سنہ 2005 جلد نمبر 5 شمارہ نمبر 8

زیر سرپرستی

مفکر اسلام حضرت علامہ مولانا پروفیسر محمد حسین آسی نقشبندی قادری

فہرست

زر تعاون

پاکستان (فی پرچہ) 15 روپے سالانہ بذریعہ ڈاک -/150

	فی پرچہ	سالانہ چندہ
یورپ	1 پونڈ	10 پونڈ
یو ایس اے	1.5 ڈالر	15 ڈالر
عرب ممالک	3 ریال	30 ریال

رابطہ: صوفی محمد آصف نقشبندی انچارج دفتر الحقیقہ نقش لاثانی نگر شکر گڑھ

پبلشر: پروفیسر محمد حسین آسی نے احمد دین پرنٹرز داتا مارکیٹ لاہور سے چھپوا کر مرکزی دفتر مجلہ الحقیقہ نقش لاثانی نگر، شکر گڑھ فون نمبر: 451734 (نارووال) سے شائع کیا

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اَلَآ اِنَّ اَوْلِيَآءَ اللّٰهِ لَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ

یونس-۶۳

ترجمہ: سُن لو اللہ کے ولیوں پر نہ کچھ خوف ہے اور نہ کچھ غم

کلمۃ الحقیقہ — اداریہ

پاکستان کو مضبوط اور ملت کو آبرومند ہونا چاہئے

۵۸ ویں یوم استقلال کے حوالے سے ایک تحریر

سرپرست اعلیٰ کے قلم سے

۱۴ اگست ۱۹۴۷ء کو وطن عزیز معرض وجود میں آیا اور اب چند روز تک اس کا ۵۸ واں یوم استقلال بڑی دھوم دھام اور بڑے تزک و احتشام سے منایا جا رہا ہے۔ مگر اس استقلال ملک و ملت کا پس منظر بہت طویل ہے۔ برعظیم پاک و ہند میں ہندوؤں کی اکثریت کے باوجود کئی صدیوں سے حکومت مسلمانوں کے ہاتھ میں رہی تھی۔ آخری دور میں انگریزی تجار کی ایک تنظیم ایسٹ انڈیا کمپنی نے سازشوں کے جال بچھا کر حکومت پر بھی قبضہ کرنا چاہا تو نااہل حکمرانوں، غدار امیروں، ضمیر فروش وزیروں، متعصب غیر مسلموں اور زرخرید مولویوں وغیرھم کی بنا پر ڈیڑھ دو صدیوں کی ناپاک کوششوں سے دشمنوں کا مقصد پورا ہو گیا۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ اس عبوری دور میں چند ریاستوں کے نواب مثلاً سراج الدولہ، حیدر علی اور ان کا لائق و فائق فرزند سلطان ٹیپو ان کے مقابل میدان میں اترتے رہے مگر عموماً غداروں اور گھر کے بھیدیوں نے ان کی پیش نہ جانے دی۔

۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی میں جب حضرت مولانا فضل حق علیہ الرحمۃ جیسے علماءِ حق کے 'فتویٰ جہاد' کے زیر اثر قوم آزادی کے جذبے سے سرشار ہو کر اٹھی تو حالات بڑے امید افزا دکھائی دیتے تھے مگر کثیر التعداد غداروں اور جاسوسوں نے پھر اپنوں کے بجائے بیرونی گورے آقاؤں کا ساتھ دیا حتیٰ کہ وہ کامیاب ہو گئے۔ انگریزوں نے ملک پر قابض ہونے کے بعد مجاہدین بلکہ عام مسلمانوں پر بدترین مظالم ڈھائے اور ساتھ دینے والے غداروں کو خوب نوازا۔ انھیں قوم فروشی کے صلے میں جاگیریں دیں، سندات و خطابات دیئے اور وظائف و انعامات وغیرہ دیئے اور اسلامی حکومت اور عوام پہلے دن سے یہاں حنفی فقہ پر عامل تھے چنانچہ یہی رائج بھی تھی۔ انگریز اپنے مستقل قبضے کے لئے ضروری سمجھتے تھے کہ مسلمانوں کو فکری و عملی اعتبار سے کمزور کیا جائے اور اسلامی عقائد و نظریات کے بارے میں، بلکہ اسلامی تہذیب و تمدن کی بابت انھیں احساس کہتری اور وہم و گماں میں مبتلا کر کے انھیں غیر ملکی آقاؤں کی تمدنی و تہذیبی برتری کا پوری طرح قائل کیا جائے۔ انھیں اس طرح اور ایسی تعلیم دی جائے کہ سارا سابقہ نظام تعلیم بلکہ نصاب تعلیم نئے نظام و نصاب کے سامنے حقیر و بے مقصد دکھائی دینے لگے۔ انھیں سب سے زیادہ پریشانی مسلمانوں کے جذبہ جہاد سے تھی۔ وہ ۱۸۵۷ء میں بہت سے محاذوں پر بے سروسامان اسلامی مجاہدین کے غلبے کا حال اپنی آنکھ سے دیکھ چکے تھے، اس لئے وہ اسے ہر قیمت پر ختم کرنا چاہتے تھے۔ انھیں بلکہ ہر وہ شخص جو ٹھنڈے دل حالات کا جائزہ لیتا ہے، اسے اس نتیجے پر پہنچنا کچھ بھی مشکل نہیں ہوتا کہ جذبۂ جہاد عشق رسول ﷺ پر قائم ہے۔ اگر خدانخواستہ یہ بنیاد ہی نہ رہے تو یہ جذبہ بھی قائم نہیں رہ سکتا۔ انھوں نے اس بنیاد اور اس پر کھڑی ہونے والی عمارت یعنی عشق رسول ﷺ اور جذبہ جہاد کو ختم کرنے کے لئے کچھ علماء خریدے۔ جنھوں نے شیخ القرآن، شیخ الحدیث، شیخ الاسلام، فقیہ العصر، مجتہد زماں، محقق و مدقق، قاسم العلوم اور امام الہند، شیخ الہند کے لبادے میں آکر ہر وہ کام کیا جن سے ان کے بیرونی آقا راضی ہوتے تھے۔ ایسے لوگوں کے ہاں دولت

کی ریل پیل تھی، جتنے مدرسے چاہے، بنائے۔ یہاں سے ہر سال سینکڑوں مدرسین کی کھیپیں تیار ہوتیں اور مختلف علاقوں میں پھیل کر خوب کھل کھیلتیں۔ انھوں نے مسلمان بن کر مسلمانوں کو مسلمانی سے خوب نا آشنا کر دیا۔ ایک عرصے سے اس قسم کے تصورت جو مسلمانوں کے ہاں عقیدہ و تمدن کی روح سمجھے جاتے تھے، دھندلانے لگے مثلاً

ادب گا ہیست زیرآسمان از عرش نازک ترا
نفس گم کردہ می آید جنید و بایزید انیجا

کا بروئے ہر دوسرا است
کسے کہ خاک درش نیست خاک برسر او

اذاں کیا' جہاں دیکھوایماں والو پس ذکر حق ذکر ہے مصطفےٰ کا
کہ پہلے زبان حمد سے پاک ہولے تو نام لے وہ حبیب خدا کا

باخدا دیوانہ باش وبا ہشیار

باادب بامراد، بےادب بےمراد

مرگئے مردود نہ فاتحہ نہ درود

اپنے مردوں کو ایصال ثواب کرنے کے لئے، میلاد شریف کی محفلیں، معراج شریف کے تذکرے، بزرگان دین کے اعراس، شیخ عبدالحق کا توشہ، مائی صاحبہ کی صحنک، تیجے، ساتے، چالیسویں وغیرہم۔

بزرگان دین جو یہاں اسلام کی روشنی لانے والے اور پھیلانے والے تھے اتفاق سے سب احناف تھے۔ لہٰذا فاتحہ خلف الامام، آمین بالجہر، رفع یدین وغیرہ سے خالی نمازیں۔

جیسا کہ بار بار عرض کیا جا چکا ہے عقائد و معمولات کے انداز یہاں کی اسلامی فضا میں رچے بسے تھے کہ انگریز آدھمکے۔ انھیں اس بات سے کیا غرض تھی کہ نماز میں رفع یدین کرو یا نہ کرو مگر انھیں انتشار چاہئے تھا، ہاں جن پر انھوں نے اس 'کاربد' کو پھیلانے کے لئے خریدا، انھیں معلوم تھا کہ مسلمانوں میں انتشار پھیلانے کیلئے ان کے عقائد و معمولات کو کس طرح چھیڑنا ہے، چنانچہ جو کام انگریز خود کئی صدیوں میں نہ کر سکتا تھا، ان کے نمک حلال وباوفا غلاموں نے نہایت ہی قلیل مدت میں کر دکھایا۔ ملت اسلامیہ ایک خدا، ایک نبی ﷺ، ایک قرآن اور ایک قبلے کے باوجود پارہ پارہ ہو گئی۔ عقیدے میں یکدلی رہی نہ عمل میں شہر شہر میں دنگا فساد، گلی گلی میں مناظرے اور گھر گھر میں لڑائی، انگریزوں کی یہی تمنا تھی جوان کے 'حسن تدبر' سے ان کے زرخرید ملاؤں کے ذریعے پروان چڑھی۔ انگریزوں کو وفا شعار مل گئے اور ملاؤں کو کاروبار مل گیا۔ انھیں ملاؤں میں بعض عقائد اپنے ذمے لئے اور ان کی عظمت کو (معاذ اللہ) حرف غلط کی طرح مٹانے کی کوشش کی۔ بعض نے بعض دوسرے عقائد پر ورک کیا اور ان کو قوم سے نظر انداز کرانے کی سعی ناپاک کی۔ مثلاً ایک نے کہا 'ختم نبوت کا معروف معنیٰ کہ حضور ﷺ آخری نبی ہیں، کوئی عظمت کی بات نہیں۔ لہٰذا اگر آپ کے ظاہری زمانے میں یا بعد میں کوئی نبی مبعوث ہو جائے، تو ختم نبوت میں کوئی فرق نہیں پڑتا۔ یونہی ایک صاحب نے رحمۃ للعلمین پر محنت کی تو حاصل تحقیق یہ امر تھا کہ مسلمان کو رحمۃ للعلمین کہا جا سکتا ہے۔

نئے زمانے کے ان مجتہدین نے 'جہاد' پر بھی تحقیق کا حق ادا کر دیا۔ ان میں ایک نے با قاعدہ 'الاقتصاد فی سبیل الجہاد' لکھی اور 'جہاد' کو 'منسوخ' کر دیا۔ یہ الگ بات ہے کہ انگریزوں نے اس کو ناکافی سمجھا اور اس خیال سے کہ ملا ملنٹے کی کون سنتا ہے، باقاعدہ نئی خانہ ساز نبوت، کو روشناس کرالیا۔ اس مدعی نبوت نے دعویٰ کیا کہ جہاد کو حرام ٹھہرانے کے لئے (اس نے اور اس کے اعزہ واقارب نے) جہاد کے خلاف اتنی کتابیں لکھی ہیں کہ پچاس الماریاں بھر جاتی ہیں۔

غرض کئی سو سال سے مسلمانوں میں جو کامل مذہبی ہم آہنگی تھی، انگریزوں نے اسے ختم کرادیا۔ ہاں جلال الدین اکبر کے زمانے سے ایران سے کچھ شیعہ بھی آنے لگے تھے۔ چنانچہ یہی مذہبی دور تھا جب اہل حدیث اور دیو بندی مکتب فکر ہی منصۂ شہود پر نہیں آئے بلکہ اہل قرآن (یعنی منکرین حدیث) اور کئی دوسرے چھوٹے بڑے مذہبی فتنے بھی رونما ہو گئے۔ ہاں سب سے زیادہ جو انگریزوں کی نظر عنایت کا مستحق ٹھہرا، وہ قادیانی مذہب ہے۔ قادیانیوں کو اعلیٰ ملازمتیں دی گئیں، اور ملت اسلامیہ کے خلاف سب سے زیادہ انھیں کو استعمال کیا گیا۔

پاکستان کی تحریک چلی تو انگریزوں نے اپنے وظیفہ خواروں کو اپنے واپس جانے کا عندیہ دے کر اس کا نیشنل کانگریس سے ایجاب وقبول کرا دیا۔ انھوں نے بھی اپنے سابق آقاؤں کو دغا نہ دیا بلکہ اسلام اور ملت اسلامیہ کے مفادات کے خلاف دوسرے پلیٹ فارم پر گرم ہو گئے۔ اب یہ دو قومی نظریہ یعنی نظریہ پاکستان کے مخالف اور یک ٹولی نظریہ یعنی گاندھی کا ''متحدہ ہندوستان'' ان کا قبلہ معبود بن گیا جو کاروبار انھوں نے جان بوجھ کر شروع کیا تھا، اس کے نقصانات پر توجہ دیتے۔ گاندھی کلر کی آندھی چلتا رہا اور کتاب وسنت سے اس کی گائیڈ پیش کرتے رہے۔

اسی صورت حال کے پیش نظر جناب اکبرالہ آبادی علیہ الرحمہ نے فرمایا تھا

یہ کانگریسی ملا کیا پوچھتے ہو کیا ہیں   گاندھی کی پالسی کا عربی میں ترجمہ ہیں

یہ بات بہت دکھ سے لکھ رہا ہوں کہ انھوں نے گاندھی کو اس کی حیثیت سے بہت ہی زیادہ بڑھا چڑھا کر پیش کیا اور اس کے برعکس جس نبی محترم رسول محتشم شفیع مکرم ﷺ کے امتی کہلاتے تھے اور جس (ﷺ) کی غلامی کا قلادہ پہن کر امت مسلمہ کے مقتدا بننا چاہتے تھے، ان کی عظمت و شان ان کے خداداد، ظاہر و باہر، روشن وتاباں کمالات سے بھی بہت زیادہ گھٹا دیتے تھے۔ گاندھی کو مسجدوں میں لیجاتے، اسے منبر رسول پر بٹھاتے، اس کا 'وعظ' سنتے۔ اس کے حق میں نعرے لگاتے، اس کے کہنے پر فتوی دیتے اور تفسیریں لکھتے۔ افسوس قوم کی اکثریت اس بات کو نہیں جانتی کہ ہندوستان کو دارالحرب قرار دے کر مسلمانوں کو یہاں سے ہجرت کر جانے کا جوش دلانے کا فتویٰ بھی گاندھی کے ایما تھا۔ وہ مسلمانوں کا دشمن اس بہانے سے ہندوستان کو ہندوؤں کے لئے وقف کرنا چاہتا تھا، چنانچہ مسلمان اپنی جائیدادیں ادنیٰ پونی قیمت پر چھوڑ کر افغانستان کی طرف سدھارے، وہاں انھیں قبول نہ کیا گیا تو واپس ہندوؤں سے اپنی جائیدادیں نہ لے سکے اور گاندھی کی منشا پوری ہوگئی۔ ہندوؤں کے تقریباً ۶۰ کالج تھے، مسلمانوں کے صرف تین، اسلامیہ کالج لاہور، اسلامیہ کالج پشاور، اور۔۔۔۔۔۔ گاندھی انھیں بھی بند کرنا چاہتا تھا، (یعنی ہندوؤں کے تعلیمی ادارے چلتے رہیں مسلمانوں کے بند ہو جائیں) اس نے تحریک موالات چلادی۔ اس کا مطلب یہ تھا گورنمنٹ کی طرف سے جو ان کالجوں کو گرانٹ ملتی ہے۔ یہ اس کو واپس کردیں اور کالج بند ہو جائیں۔

اس کا یہ رویہ ہندوؤں کے اداروں کے بارے میں اس کے برعکس تھا مگر اس کے ٹکڑوں پر پلنے والے پھر بھی مسلمانوں کو ہی ترک موالات پر مجبور کرتے تھے۔ یہ موقعہ تھا جب اسلامیہ کالج کے پرنسپل مولانا حاکم علی مرحوم نے حضرت علامہ اقبال علیہ الرحمہ کے کہنے پر اعلیحضرت فاضل بریلوی قدس سرہ سے فتوی منگوایا تھا۔

بہرحال ان کانگریسی ملاؤں نے گاندھی پر ایمان لاکر اس کی ایک ایک بات کی تصدیق کی۔ بعض بد بخت وہ بھی تھے جو یہاں تک کہتے تھے کہ اگر سلسلہ نبوت جاری رہتا تو (معاذ اللہ) گاندھی بھی (معاذ اللہ) اس مرتبے پر فائز ہوتا اور اسی گاندھی کے کہنے پر مختلف شہروں میں قرآن پاک اور گیتا (ہندوؤں کی مذہبی کتاب) کو ایک ہی پالکی میں رکھ کر جلوس نکالا گیا۔ اس میں گاندھی کی یہ خرافات تھی کہ قرآن پاک اور گیتا میں (معاذ اللہ) کوئی فرق نہیں۔ حضرت اقبال نے اسی تناظر میں فرمایا تھا

یہ آیہ نو جیل سے نازل ہوئی مجھ پر   گیتا میں ہے قرآن تو قرآن میں گیتا

یہ تھاوہ پرہول پس منظر جس میں انگریز، ہندواور مولوی نما، کچھ پنڈت پاکستان کی مخالفت پر تلے ہوئے تھے کہ حضور پرنور شافع یوم النشور ﷺ کا دریائے رحمت جوش میں آیااور امت کے والی (ﷺ) نے امت کی قیادت کے لئے محمد علی جناح کو نامزد کیا اور کامیابی کی ضمانت بھی دی۔

اس سلسلے میں خود حضرت قائداعظم علیہ الرحمتہ کی زبانی ایک واقعہ سنئے

یہ واقعہ محترم المقام سید صابر حسین شاہ صاحب بخاری مدظلہ العالی کی کتاب ''بارگاہ رسالتماب ﷺ میں قائداعظم'' سے لیا ہے۔ شاہ صاحب موصوف نے حضرت قائداعظم کے بارے میں ایک اور کتاب بھی لکھی ہے۔ جس کا نام ہے' قائداعظم کا مسلک، حق یہ ہے کہ دونوں کتابیں اپنے اپنے موضوع پر قابل مطالعہ، لائق تحسین اور احسان عظیم ہیں۔ جس اقتباس کو یہاں درج کیا جا رہا ہے، اس میں حضرت قائداعظم اپنے ایک دوست سے ہم کلام ہیں۔ دوست پوچھتا ہے

''سر کیا بات ہے کہ بڑے خاموش دکھائی دے رہے ہیں، جانتے ہو، قائداعظم فرمانے لگے میری واپسی کا سبب کیا ہے؟ میں نے کہا' جناب یہی کہ آپ کی اشد ضرورت تھی تمام مسلمانان ہند آپ کو نجات دہندہ تصور کرتے ہیں اور حضرت علامہ اقبال نے بھی آپ کو متعدد خطوط لکھے اور مزید کہ جناب لیاقت علی خان نے آپ سے لندن میں ملاقات کر کے آپ کو واپس آنے پر قائل کیا۔

قائداعظم فرمانے لگے' یہ تمام باتیں اپنی جگہ درست ہیں مگر قیام لندن کے دوران ایک عجیب وغریب واقعہ میرے ساتھ پیش آیا جس کی بنا پر میں نے واپس آنے کا فیصلہ کر لیا تھا۔ میں نے کہا سر کیا عجیب واقعہ تھا۔ آپ فرمانے لگے' ایک شرط پر سناؤں گا کہ میری زندگی میں اسی کی تشہیر نہ کی جائے کیونکہ کچھ ناعاقبت اندیش اس کو غلط معنیٰ پہنا کر طرح طرح کی باتیں کریں گے۔ میں نے وعدہ کیا میں ایسا ہی کروں گا۔' پھر حضرت قائداعظم یوں گویا ہوئے

''میں لندن میں اپنے فلیٹ میں سویا ہوا تھا۔ رات کا پچھلا پہر ہوگا جب میرے بستر کو کسی نے ہلایا۔ میں نے آنکھیں کھولیں ادھر ادھر دیکھا، کوئی نظر نہ آیا میں پھر سو گیا۔ میرا بستر پھر ہلا۔ میں پھر اٹھا۔ کمرے میں ادھر ادھر دیکھا۔ سوچا شاید زلزلہ ہو۔ کمرے سے باہر نکل کر دوسرے فلیٹوں کا جائزہ لیا۔ تمام لوگ محو استراحت تھے۔ میں واپس کمرے میں آکر بستر پر سو گیا۔ کچھ دیر ہی گزری تھی کہ تیسری بار پھر کسی نے میرا بستر نہایت زور سے جھنجھوڑا۔ میں ہڑبڑا کر اٹھا۔ پورا کمرہ معطر تھا میں نے فوری طور پر محسوس کیا کہ' ایک غیر معمولی شخصیت میرے کمرے میں موجود ہے''۔

An extra ordinary personalily is in my room.

Who are you ? میں نے کہا (آپ کون ہیں)

آگے سے جواب آیا (میں تمھارا پیغمبر محمد ﷺ ہوں)

I am your prophet Muhammad.

میں جہاں تھا، وہیں بیٹھ گیا، دونوں ہاتھ باندھ لئے اور سر جھکا لیا

فوراً میرے منہ سے نکلا (آپ پر سلام ہو میرے آقا ﷺ)

Peace be upon you my Lord.

ایک بار پھر وہ خوبصورت آواز گونجی

(جناح! برعظیم کے مسلمانوں کو تمھاری فوری ضرورت ہے اور میں تمھیں حکم دیتا ہوں کہ تحریک آزادی کی قیادت کا فریضہ انجام دو۔ میں تمھارے ساتھ ہوں۔ تم بالکل فکر نہ کرو۔ انشاءاللہ تم اپنے مقصد میں کامیاب ہو گے

Mr. Jinnah you are urgently regared by the muslims of the sub-continent and order you to lead the freedom movement. I am with

you. Dont worry at all; you will succeed in your mission Insha-Allah.

میں ہمہ تن گوش تھا' صرف اتنا کہہ پایا۔

(آقا ﷺ آپ کا حکم سر آنکھوں پر) O.K. My Lord.

میں مسرت وانبساط اور حیرت کے اتھاہ سمندر میں غرق تھا کہ '' کہاں آنحضرت ﷺ کی ذات اقدس اور کہاں میں اور پھر یہ شرف ہم کلامی۔ یہ عظیم واقعہ میری واپسی کا باعث بنا۔

یہ تھا قیام پاکستان کی تحریک حضور پرنور ﷺ کی دعا وتوجہ کا عالم اور یہ تھا بارگاہ رسالت میں حضرت قائداعظم کی قبولیت کا انداز۔ انصاف سے دیکھا جائے تو پاکستان کا قیام بھی حضور پرنور ﷺ کے مسلسل معجزات میں شامل ہے اور قائداعظم محمد علی جناح کی شخصیت کا روحانی مقام۔ اسی روحانیت کی بنا پر خود حضور پرنور ﷺ نے ان کو مسلمانوں کی قیادت کے لئے نامزد کیا اور انھوں نے شب وروز ایک کر کے اپنے آقا ومولا ﷺ کی تعمیل فرمان کا حق ادا کر دیا۔ ایک ایسا شخص جو بظاہر شیخ القرآن نہیں، محدث نہیں، فقیہہ ومجتہد نہیں اور تو اور کسی چھوٹی سی مسجد کا امام بھی نہیں، اتنے بڑے کام کے لئے چن لیا جائے، اور بہت سے ریش دراز کے چمپئین، شیخ الاسلام اور شیخ الفقہ کہلانے والے، علم وعمل کے بظاہر علمبردار، اپنے اپنے حلقے میں شیخ المشائخ اور شیخ الکل مسلمانوں کی قیادت کی سعادت ہی سے محروم نہیں رہے، بلکہ مسلمانوں کا ساتھ بھی نہ دے سکے۔ آخر اس کا سبب؟ اس کی بنیاد؟ اس کی اصل وجہ؟ وہی جو حدیث پاک میں آئی ہے

ان اللہ لا ینظر الی اجسامکم ولا الی صورکم ولکن ینظر الی قلوبکم (مسلم)

ترجمہ: اللہ تعالیٰ نہ تمھارے جسموں کو دیکھتا ہے، اور نہ تمھاری صورتوں کو، بلکہ وہ تمھارے دلوں کو دیکھتا ہے۔

چہاردہ صد سالہ تاریخ ملت پر غور کیجئے۔ ہر حقیقت کھل کر سامنے آجائے گی کہ اب اپنے حبیب کریم علیہ الصلوۃ والسلام سے بغض رکھنے والے شخص کو کسی کارنامے کو رونما کرنے کی سعادت نہیں عطا فرماتا۔ بڑی بڑی سعادتیں انھیں کو عطا ہوتی ہیں جو دل وجان سے عظمت محبوب اعظم ﷺ پر قربان ہو ہو جاتے ہیں۔ وہ لوگ جو اللہ کے محبوب اکرم ﷺ سے کد رکھتے ہیں ان کی مسلمانی جبہ ودستار تک ہوتی ہے اس سے آگے وہ صفر سے بھی نیچے ہوتے ہیں۔ ان جبہ پوشوں کی تاریخ ڈیڑھ دوسو سال سے شروع ہوئی ہے اور اس کے بھی دو دور ہیں، ایک انگریزوں سے وفا کا دور اور دوسرا گاندھی اور اس کی کانگریس سے وفا کا دور۔ وفا کے یہ دونوں دوران کے ماتھے پر سیاہ بدنما ٹیکے ہیں۔

تاہم جہاں تک تاریخ اسلام کا تعلق ہے، وہاں ان کی وفا کے دونوں دوروں کو کیا نام دیا جائے۔ یہ گاندھی، نہرو اور پٹیل وغیرہ کے ساتھ جیلوں میں بھی گئے، مشقتیں بھی کاٹیں، درد وکرب میں مبتلا بھی ہوئے مگر کیا اسے ہم اسلامی کارنامہ کہہ سکتے ہیں، کیا یہ جہاد فی سبیل اللہ ہے۔ کیا گاندھی نے بھول کر بھی یہ بات کہی تھی کہ ہم یہاں قرآنی تعلیمات اور اسلامی دستور نافذ کریں گے۔ یہ بدنصیب پھر بھی اللہ اور رسول ﷺ سے بے نیاز ہو کر ملت اسلامیہ ہی کے دشمنوں سے لو لگائے رہے۔ ہاں ہاں ان کو تاریخ اسلام اور تاریخ پاکستان سے تعلق ہے تو معاندت ومخالفت کا ہے۔ حق یہ ہے کہ جن کو بھی اس معرکے میں خدا اور رسول سے تعلق تھا وہ قائداعظم کی آواز پر لبیک کہہ کر پاکستان کی حمایت کر رہا تھا اور جو جو زلف فرانگ کا اسیر تھا یا گاندھی کی ڈھولی سے وابستہ، وہ ایک قومی نظریہ کی بنا پر بدستور مخالفین میں تھا۔ یہ یقیناً ہیرو ہیں مگر اسلام کے نہیں ملت اسلامیہ کے نہیں، پاکستان کے نہیں بلکہ اسلام دشمنوں کے، اعدائے ملت کے اور مخالفین پاکستان کے۔ ان کو اس بات کا یقینی وقطعی علم تھا کہ پاکستان کے لئے کوشش کرنے میں اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی رضا ہے جس طرح ہر شخص یہ جانتا ہے نماز روزے سے اللہ اور رسول ﷺ راضی ہوتے ہیں۔ کتنا واضح فرق ہے عاشقانِ رسول ﷺ اور باغیانِ رسول ﷺ میں۔ عاشق سب کے سب پاکستان تھے اور باغی سب کے سب پاکستان کے دشمن۔ یہ بات کوئی ڈھکی چھپی نہیں تھی کہ چورہ شریف، علی پور شریف، شرقپور شریف، سیال شریف، گولڑہ شریف اور مانکی شریف جیسے عظیم آستانوں کے والی اور سجادہ نشین، دوٹوک انداز میں پاکستان کے حامی تھے۔ یہ اسے اللہ اور رسول اللہ ﷺ کی رضا کا بہت بڑا ذریعہ سمجھتے تھے۔ اس وقت علماء نجد ودیوبند کی بدقسمتی اور بھی نمایاں ہو جاتی ہے جب خود انھیں یقین بھی ہوتا ہے اور وہ یقین بھی حضور ﷺ کے حوالے سے ہوتا ہے یعنی خود خواب بیان کرتے ہیں حضور ﷺ فرما گئے ہیں پاکستان بن گیا ہے اور پھر خود بھی مسلم لیگ کی مخالفت پر قائم رہتے ہیں پھر اس کی وجہ یہ بیان کرتے ہیں (معاذ اللہ)

تکوینی امور میں حضور ﷺ کی اطاعت ضروری نہیں (سوچئے کیا کوئی گنہگار سے گنہگار مسلمان اس قسم کی بغاوت وسفاہت تصور بھی کرتا ہے)
ہاں یہ کسی عام گنہگار مسلمان کی بات نہیں، دیو بند کے شیخ الاسلام کا واقعہ ہے جو پہلے بھی ڈاکٹر صفدر محمود صاحب کے مضمون میں نوائے وقت میں شائع ہوا اور پھر اپنے اسی الحقیقہ میں۔

آپ نے شاید اس بات پر کبھی غور نہ کیا، قائداعظم وہی شخصیت ہے جو خود اسلام کی صداقت کی دلیل ہے۔اس دور میں عموماً کون ایسا ہے جو سیاست کرتا ہو اور جھوٹ نہ بولتا ہو۔میرے ایک یار نے بہاولپور میں سیاست کی تعریف کرتے ہوئے فرمایا تھا مثلاً میں سیاسی ہوں مجھے رحیم یار خاں جانا ہو تو لاہور کا ارادہ ظاہر کروں گا۔بغیر اس کے سیاست چلتی ہی نہیں۔قائداعظم اپنے 'الصادق' 'الامین' نبی ﷺ کے سیاست میں مظہر بن گئے۔سب انگریزوں ہندوؤں کو یہ اقرار کرنا پڑا کہ یہ شخص کسی سے جھوٹ نہیں بولتا اور کسی کو دھوکا نہیں دیتا، اسکے مقابل کون ہندو لیڈر تھا جس کے بارے میں خود ہندوؤں کا یہ تصور ہو اور کون انگریز ایسا تھا جس کے بارے میں انگریز دعوے سے ایسا کہہ سکتے ہوں۔ہاں علماء نجد و دیو بند کو عشق ہو گیا تھا گاندھی سے لہذا اس کی بابت ان کے عشق کا تقاضا تھا کہ اس میں عیب نظر نہ آئے۔بمصداق حدیث پاک حبک الشیء یعمی و یصم مشکوۃ (کسی چیز کی محبت تجھے اس کے عیب دیکھنے سے اندھا اور عیب سننے سے بہرا کردے گی۔) ورنہ بقول ظفر علی خاں مرحوم سب جانتے تھے

بھارت میں بلائیں دو ہی تو ہیں، اک ساورکر اک گاندھی ہے
اک جھوٹ کا اٹھتا طوفاں ہے، اک مکر کی چلتی آندھی ہے

مختصر یہ کہ جو گاندھی دھوکا ہی دھوکا تھا نجد و دیو بند کی نظر میں وہ معاذ اللہ امام ہدی ومقتدا بن گیا اور جس قائداعظم نے کسی کو دھوکا نہیں دیا تھا' اس کو وہ کافر اعظم کہتے رہے۔پھر قائداعظم نے بار بار کہا ہم پاکستان میں قرآن پاک کی تعلیمات نافذ کریں گے کہ اس سے بہترین دستور حیات کوئی نہیں' ہم یہاں اپنے پیغمبر اسلام ﷺ کا پیغام نشر کریں گے کہ ان سے بڑا ہادی نہ آیا نہ آسکتا ہے اور ہم اسلام کی روشنی میں اپنے مسائل حل کریں گے کہ اس سے بہتر نظام زندگی کوئی نہیں۔بزرگان دین اور علماء اہل سنت نے قائداعظم کا ساتھ دیا تو یہ ایمان کا تقاضا تھا اور خود اہل رابطہ جانتے تھے کہ حضور پرنور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی رضا اسی میں ہے۔نجد و دیو بند کے بزرجمہروں نے گاندھی کا ساتھ دیا اس لئے ان کا سودا ہو چکا تھا۔انہوں نے مسلم لیگ سے پچاس ہزار کا سودا کرنا چاہا مگر اس بینوا کے پاس ان کے مطالبے پورا کرنے کے لئے کیا تھا۔کہتے ہیں ان کے خوش آواز جادو بیان کئی دفعہ تقریر کے دوران ایک مدت تک ایسے اشارے بھی کرتے رہے مثلاً

'میں گھری نوں کنگھر ولوادے جے تو میری ٹور دیکھنی' (اقبال کا آخری معرکہ)

میرے نزدیک قدرت نے تحریک پاکستان کی صورت میں اپنا پرایا پرکھنے کا خوب موقعہ مہیا فرمایا تھا مگر افسوس قوم اس بات کو نہ سمجھ پائی اور پاکستان بنتے ہی داخلی دشمنوں کی ساری شرارتیں بھول گئی۔وہ مدرسے بناتے گئے،قوم بچے فراہم کرتی رہی کہ ان کے فکر و نظر ذبح ہوں گویا کانگریس سے ڈھیروں کمایا ہوا مال پاکستان کی تباہی کے لئے ایک دوسری صورت میں استعمال ہونے لگے۔ان کے بڑے بڑے مولوی صوفیہ باصفا اور مرشد ان راہ بیں کے سانچے میں ڈھل گئے۔قوم کو یہ بات یاد نہیں کہ گاندھی کے گلے میں پھولوں کا ہار ڈالنے والے راتوں رات پارسا کیونکر بن گئے۔پھر یہ سیاست میں کودے تو خوب کھیل کھیلے۔سوشلزم اور اسلام کا مقابلہ ہوا تو ان کی اکثریت نے سوشلزم کے پلڑے کو مضبوط کیا۔سقوط ڈھاکہ ہوا تو مسلمان خون کے آنسو رو رہے تھے مگر ان کے ہاں گھی کے چراغ جل رہے تھے کہ بقول ان کے ان کے شیطانی بزرگوں کی بات پوری ہو رہی ہے پھر انہوں نے ایک ڈھونگ رچایا کشمیر کے جہاد پر مدرسوں کے طلبا کو کلاشنکوفوں سے لیس کیا گیا اور دیکھتے ہی دیکھتے مجاہدین کے کئی لشکر اور کئی جیش تیار ہو گئے۔قوم پھر دھوکا کھاتی رہی۔ہم پورے وثوق سے کہتے ہیں کہ ان سارے لشکروں کا رخ کشمیر کی طرف نہیں تھا' بلکہ اصل ہدف پاکستان تھا۔ان کے نزدیک بزرگان دین کے دربار شرک کے اڈے ہیں لہذا انہیں ہر قیمت پر ختم ہونا چاہئے۔کشمیر میں بھی طرز عمل منافقانہ تھا۔وہاں اپنے جوتے بزرگوں کے درباروں کے جھنڈوں سے پاک کرتے تھے۔مسلمان احتجاج کرتے تو اس بستی کے باہر نعرے لگا کے بھاگ جاتے اور انڈیا کی فوج اس بستی کو ظلم وستم کا نشانہ بناتی۔

شاید آپ اس بات کو محض متعصبانہ و جذباتی سمجھیں کہ ان کے لشکروں کا رخ پاکستان کی طرف تھا۔اس کے ثبوت میں میرے پاس

دوروایتیں ہیں ہماری تحصیل کے ناظم ان عظیم سائنسدانوں میں سے ہیں جنہوں نے پاکستان کو ایٹمی تحفہ دیا۔ یہ میٹرک میں میرے ہم جماعت تھے اور اب تک ان سے برادرانہ تعلقات رہے۔ موجودہ حکومت سے پہلے میں ان کے ہاں اسلام آباد ملاقات کے لئے حاضر ہوا تو فرمانے لگے ان کم بختوں نے اتنے طالبعلم لڑائی کے لئے تیار کر لئے ہیں کہ پاکستان کی فوج کو ان کا سنبھالنا دشوار ہے۔ چند ماہ بعد مولوی سمیع الحق دیوبندی نے سیالکوٹ میں جلسہ عام میں فرمایا نواز شریف اور پرویز مشرف کا مقابلہ ہوا پرویز مشرف جیت گیا کہ طاقتور تھا اور نواز شریف بھاگ گیا کہ کمزور تھا۔ جب ہمارا اور پرویز کا مقابلہ ہوگا تو یہ بھی ہمارے مقابلے میں بھاگ نکلے گا۔ یہ حقیقت تھی یا محض گپ مگر اس قسم کا پروپیگنڈا جان بوجھ کر بھی عام کیا جا رہا تھا۔ تاہم اس میں کیا شک ہے کہ پاکستان کے دشمنوں کی سوچ میں کوئی تبدیلی نہیں آئی اور نصف صدی سے بھی زیادہ عرصہ گزرنے کے بعد ان کے دل سے بغض کا میل دور نہیں ہوا۔ آج بھی ان کا اور کانگرسیوں کا طرز فکر اور طرز عمل ایک جیسا ہے اور آج بھی یہ لوگ حضور پرنور علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کی عظمت و عزت کے بارے میں ایک جیسے سیاہ، شیطانی، معاندانہ جذبات ہی رکھتے ہیں ان میں بھی نمبر 1 تبلیغی جماعت ہے دیکھنے کو کتنے بھولے بھالے مگر اندر ہی اندر سخت دشمن۔ کس کے، اس رحمۃ للعلمین علیہ الصلوٰۃ والسلام کے جس کے امتی کہلاتے ہیں۔ ہم پورے وثوق سے کہتے ہیں ان کو خصوصاً کسی کلیدی اسامی پر متعین کرنا گویا پاکستان سے غداری ہے۔ ان کا فوج اور ایٹمی پروگرام میں دخل انداز اور بھی خطرناک ہے۔

ہاں ان سے بھی زیادہ بدبخت' بے وفا' اسلام دشمن اگر دنیا میں کوئی گروہ ہے تو وہ قادیانیوں کا ہے۔ حقیقت یہ کہ حضور پرنور علیہ السلام سے محبت رکھنے والا پاکستان کو تبرک رسول علیہ الصلوٰۃ والسلام جانتا ہے اور اس سے پیار کرتا ہے اور شاید ہر گستاخ رسول کا بھی یہی تصور ہے اس لئے اس سے شدید نفرت ہے۔ چونکہ قادیانی سب سے بڑے گستاخان رسول علیہ الصلوٰۃ والسلام ہیں لہذا سب سے بڑے دشمنان رسول بھی ہیں۔

رہ گیا حضرت قائداعظم کے وارثوں اور تخت و تاج کے مالکوں کا مسئلہ تو حق یہ ہے وہ بھی لائق تعریف و تحسین نہیں ہے۔ قائداعظم قیام پاکستان کے ایک سال بعد خدا کو پیارے ہو گئے اور مسند اقتدار ہر وہ بیٹھ گئے جو صدق و صفا اور مہر و وفا سے عاری تھے۔ عموماً انہیں خود بھی پاکستان سے محبت نہیں تھی لہذا اس کے کیا کام آتے۔ پھر قادیانیوں اور دوسرے غداروں کی سازشیں برپا ہیں۔ قیام پاکستان کو ابھی چوبیس سال ہی گزرے تھے کہ دشمن کی عیاری اور بعض اپنوں کی غداری کے سبب ملک دولخت ہو گیا اور اس کا مشرقی حصہ مشرقی پاکستان کی بجائے بنگلہ دیش بن گیا۔ نظام تعلیم بھی تقریباً وہی رہا جو انگریزی دور میں انگریزی حکومت کو فائدہ پہنچانے اور اسلام کے بارے میں احساس کمتری پیدا کرنے کے لئے نافذ رہا تھا مگر فکری غلاموں نے انگریزی کو پہلی جماعت سے شروع کر کے خود ان سے بھی بازی لینے کو ضروری سمجھا۔

کوئی برا مانے یا اچھا' میں ضیاء الحق کو ان سب مادر پدر آزاد حاکموں سے اچھا سمجھتا ہوں کیونکہ اس میں حضور پرنور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی محبت و غیرت بھی زیادہ تھی اور اس کے صدقے اسلام کے غلبے کا جذبہ بھی۔ نواز شریف کو بھی ہم اس دور میں بہت اچھا سمجھتے تھے مگر وزیراعظم بنتے ہی اس نے جو تقریر کی اس میں حضور پرنور شافع یوم النشور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ذکر خیر بلکہ پاک نام تک نہ لیا۔ بدبختی کی انتہا یہ کہ جمعۃ المبارک کی چھٹی بھی منسوخ کر کے اپنے بدبخت بیرونی حاکموں کو خوش کرنے کے لئے اتوار کی چھٹی نافذ کر دی۔

ہمیں تو موجودہ حکمرانوں سے بھی بہت زیادہ توقعات تھیں۔ مگر افسوس انہوں نے بالکل لٹیا ڈبو دی۔ ان کے دور میں مہنگائی اور بدامنی میں جو اضافہ ہوا کسی سے پوشیدہ نہیں۔ مگر میرے نزدیک ان کا سب سے زیادہ جرم اسلام کی غیرت سے خالی ہونا اور بے حیائی اور فحاشی کو بہت اوپر لے جانا ہے اسلام کی غیرت سے خالی ہونے کا یہ عالم ہے کہ بت پرستوں پر قربان ہو ہو جاتے ہیں' ان کے آگے پیچھے حاشیہ پردازوں کی طرح پھرتے ہیں' ان کے وفد آئیں تو ان کے آگے پیچھے پیچھے جاتے ہیں اور خود وہاں جائیں بھیگی بلی بنے رہتے ہیں جیسے یہ کسی عظیم ملک و قوم کے نمائندے نہیں بلکہ بے غیرت و حمیت غلاموں کا ایک ٹولا ہے۔ گذشتہ دنوں چودھری شجاعت گیا تو ماتھے پر تلک بھی لگا آیا۔ میں نے انہیں صفحات پر عرض کیا تھا اسے خوشدلی سے اب اپنا 'شجاعت رام' رکھنا چاہئیے ملک کا سربراہ سب سے زیادہ شرم و حیا سے خالی ہے۔ ہم ابتداء میں کارگل کے بارے میں مختلف خوش فہمیوں کا شکار ہو کر اسے اقبال کا شاہین سمجھ بیٹھے تھے مگر یہ پست ہمت زاغ نکلا۔ ظاہر ہے ہمارے کوئی سیاسی عزائم نہیں' ہم صرف یہ چاہتے ہیں

''پاکستان کو مضبوط اور ملت کو آبرومند ہونا چاہئے''

☆......☆......☆

بسم اللہ الرحمن الرحیم

اسلام اور شیطان کے سپوت

تحریر

پروفیسر محمد حسین آسی

قسط: 11

بات یہ ہو رہی تھی کہ اس وقت بھی انسانی مسائل کا حل اسلام کے سوا ہرگز نہیں۔ انسانوں میں مختلف بہانوں سے جو تفریقات اور امتیازات پیدا کر دیے گئے ہیں۔ ان کا علاج دین حنیف کے سوا ممکن ہی نہیں۔ گذشتہ قسط میں بھی خلفائے راشدین میں جناب سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی سیرت کے کچھ جلوے دکھائے گئے تھے اور اس بار بھی خلفائے راشدین میں سے حکومت اسلامیہ کے دوسرے سربراہ یعنی حضرت سیدنا فاروق اعظم علیہ الرضوان کے اوصاف و اخلاق پیش کئے جاتے ہیں اور یہ تحریر ہے پروفیسر شیخ اقبال مرحوم کی

اوصاف و اخلاق: حضرت عمر رضی اللہ عنہ گندم گوں، بلند قامت اور کم گوشت تھے، لہجہ صاف تھا۔ آواز خوب سنائی دیتی تھی۔ رفتار میں تیزی تھی۔ آخر تک چاک و چوبند تھے۔ انتہا کے سادہ مزاج اور فقر دوست تھے۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی طرح عام آدمی کے گزارا کے برابر آپ کی تنخواہ مقرر تھی۔ اسی پر بسر کرتے تھے۔ بعد میں قومی خزانہ سے دیگر بدری صحابہ رضی اللہ عنہم کے ساتھ آپ کا بھی پانچ ہزار سالانہ کا وظیفہ جاری ہوا لیکن آپ کی سادگی میں مطلقاً فرق نہ آیا۔ نہ نرم لباس نے آپ کے بدن کو چھوا اور نہ چھنا ہوا باریک آٹا آپ نے استعمال فرمایا۔ ایک صاحب نے ایک دفعہ شمار کیا تو لباس میں مختلف قسم کے بارہ پیوند تھے۔ شام کے سفر پر گئے تو اثنائے راہ میں کرتا پھٹ گیا۔ ایک عیسائی نے مرمت کے لئے لیا اور واپس کرتے وقت ساتھ ایک نیا اور نرم لباس بھی پیش کیا۔ آپ نے اسے واپس کر دیا اور اپنا پیوند در پیوند کرتا لے کر پہنا۔ حج وغیرہ کے سفر کا اتفاق ہوتا تو خیمے ڈیرے کا کوئی اہتمام نہ ہوتا تھا۔ دھوپ ہوتی تو درخت پر چادر تان کر فرش خاک پر سو جاتے تھے

جب خلیفہ ہوئے تو وہی روزینہ لیتے تھے جو حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے لئے مقرر تھا۔ بعد میں آپ کی ضرورتیں بڑھیں تو چند صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے اکٹھے ہو کر فیصلہ کیا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے ہاں جا کر ان سے کہیں کہ روزینہ بڑھا لیں ان کو اس بارے میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے خود گفتگو کرنے کی جرأت نہ ہوئی۔ جا کر حضرت حفصہ رضی اللہ عنہ سے ذکر کیا اور کہا کہ ہمارے نام مخفی رکھیے۔ انہوں نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے اس باب میں گفتگو کی۔ آپ ناراض ہوئے اور کہا، جس چیز پر رسول اللہ ﷺ نے قناعت فرمائی میں اس پر اضافہ نہیں کروں گا۔ حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا سے پوچھا، حضور ﷺ کے پاس لباس کیا تھا؟ کہا دو لباس ہوتے تھے۔ انہی میں وفود سے ملتے تھے اور جمعہ کے روز پہنتے تھے۔ پوچھا، آپ کا بہترین کھانا کیسا تھا؟ کہا، جو کی روٹی تھوڑے سے گھی میں چُور کر لیتے تھے اسے آپ ﷺ بڑے شوق سے کھاتے تھے۔ پھر پوچھا، آپ ﷺ کا بچھونا کیا تھا بتایا، ہمارے پاس ایک بھدا کپڑا ہوتا تھا گرمیوں میں تہ کر کے بچھا لیتے سردیوں میں آدھا بچھاتے اور آدھا اوڑھ لیتے تھے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا اے حفصہ رضی اللہ عنہا! جنہوں نے میرا وظیفہ بڑھانے کی تجویز کی ہے ان سے کہہ دو کہ میں بھی حضور ﷺ کی پیروی کروں گا اور فالتو اشیاء سے پرہیز کروں گا۔ اس زہد اور سادگی کی زندگی میں اپنے گھر والوں کو بھی برابر کا شریک کر رکھا تھا۔ ایک دفعہ قحط کے ایام میں بیٹے کے پاس پھل دیکھ لیا۔ ناراضی کے لہجہ میں فرمایا، لوگ بھوکوں مر رہے ہیں اور تم پھل کھاتے ہو۔ ہاتھ سے کام کاج کرنے میں فخر جانتے تھے۔ ایک دفعہ دیکھا گیا کہ آپ چلچلاتی دھوپ میں بیت المال کے اونٹ احاطہ میں جمع کر رہے ہیں۔ ایک روز سرکاری اونٹوں پر تیل مل رہے تھے۔ ایک صحابی رضی اللہ عنہ نے کہا کہ یہ کام صدقہ کے کسی غلام سے لیا ہوتا۔ فرمایا، مجھ سے بڑھ کر کون غلام ہو سکتا ہے۔

مدینہ اور اس کے مضافات والوں کے وظائف بعض دفعہ خود جا کر تقسیم کرتے تھے۔ مجاہدین کی چٹھیاں ان کے گھروں پر تقسیم کرنے چلے جاتے اور دروازے کے باہر بیٹھ کر چٹھیاں تحریر کر دیتے۔

بعض دفعہ راتوں کو نکل کر شہر کی گشت لگاتے تھے۔ مسافروں کے قافلے وقتاً فوقتاً شہر کے باہر ڈیرے لگاتے تو بارہا خود جا کر پہرہ دیتے تھے

ایک بار مدینہ سے باہر گشت کر رہے تھے۔ دیکھا کہ ایک عورت نے ہنڈیا چڑھا رکھی ہے اور بچے پاس رو رہے ہیں۔ آپ نے اس عورت سے بچوں کے رونے کا سبب پوچھا۔ اس نے کہا، ہمارے پاس کھانے کو کچھ نہیں۔ ان کے سونے کے وقت تک بہلانے کے لئے خالی ہنڈیا چولھے پر رکھ دی ہے۔ آپ تیزی سے مدینہ آئے بیت المال سے خورد ونوش کی اشیاء لے کر باندھیں اور اپنے غلام اسلم سے کہا کہ اٹھا کر مجھ پر رکھ دو۔ اس نے بار بار کہا میں اٹھا لے چلوں گا۔ فرمایا، آج تو یہ بوجھ تم سنبھال لو گے کل قیامت کے روز میرا بار کون اٹھائے گا۔ سامان اٹھائے واپس اس عورت کے پاس پہنچے۔ کھانا پکانے میں اس کا ہاتھ بٹایا چولھا تک پھونکتے رہے کھانا تیار ہو چکا تو بچوں نے سیر ہو کر کھایا۔ عورت نے دعا دی اور کہا، امیر المومنین تو تمہیں ہونا چاہئے تھا نہ کہ عمر کو۔ آپ رخصت ہو کر قریب ہی ایک پوشیدہ جگہ میں بیٹھ گئے۔ بچے کچھ دیر خوشی سے کھیلتے رہے۔ پھر سو گئے۔ سکوت طاری ہو گیا تو آپ مطمئن ہو کر گھر آئے۔

شخصی امتیاز کو بہت برا مانتے تھے۔ ایک دفعہ کسی نے خلیفہ رسول کہا تو فرمایا میں خلیفہ رسول ﷺ نہیں خلیفہ ابو بکر ہوں۔ لوگوں میں بیٹھے ہوتے یا بازار سے گزرتے تو ناواقف آدمی پہچان نہ سکتا تھا کہ یہی شخص اس وقت دنیا کی سب سے پر شوکت سلطنت کا فرماں روا ہے۔ ایک دفعہ ایک شخص نے کہا، اللہ تعالیٰ مجھے آپ پر فدا کرے۔ فرمایا، پھر تو اللہ تمہیں ذلیل کرے گا۔

کوئی شخص کسی کی تعظیم کو اٹھتا یا ساتھ چلتا تو ناپسند فرماتے تھے۔ حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ ایک بڑے پایہ کے صحابی تھے۔ ایک دفعہ وہ اٹھ کر چلے تو چند آدمی تعظیماً ساتھ ہو لئے اتفاق سے آپ آنکلے۔ آپ نے ابی رضی اللہ عنہ پر درّہ اٹھایا۔ انہوں نے کہا، میں آپ کا مطلب سمجھ گیا۔ فرمایا، یہ چیز (یعنی ایسی تعظیم) متبوع (پیشوا) کے لئے فتنہ اور تابع کے لئے ذلت ہے۔ مکہ کے ایک رئیس نے آپ کی دعوت کی۔ کھانا چنا گیا تو نوکر الگ کھڑے ہو گئے۔ آپ بہت ناراض ہوئے اور فرمایا، اللہ تعالیٰ ان لوگوں کو سمجھے جو نوکروں کے ساتھ بٹھانے میں عار سمجھتے ہیں۔ آپ کی سادگی، تواضع اور نفس کشی کی بیسیوں مثالیں ہیں۔

فاروق اعظم رضی اللہ عنہ اس پاکیزہ اخلاق کے باوجود ہمیشہ اللہ تعالیٰ کے خوف سے ترساں رہتے تھے۔ قرآن حکیم پڑھتے تو بالخصوص ایسے مقامات پر جہاں اللہ تعالیٰ کے جلال وغضب کا ذکر آیا ہے، بے اختیار رو پڑتے۔ بعض اوقات عین نماز میں گریہ سے ہچکی بندھ جاتی۔

اپنی ذمہ داریوں کو بحیثیت انسان اور خلیفہ کے سوچتے تو گھبرا اٹھتے۔ ایک بار فرمایا، کاش میں یہ تنکا ہوتا۔ کاش میں پیدا ہی نہ ہوتا۔ کاش میری ماں مجھے نہ جنتی۔

جناب فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کے اوصاف واخلاق کے بعد آپ کے چند عادات وخصائل پیش کئے جاتے ہیں، اور یہ تحریر ہے نامور مؤرخ حضرت علامہ مولانا جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ علیہ کی

﴿حضرت عمر کی کچھ عادتوں میں﴾

ابن سعد نے اخلف بن قیس کے حوالہ سے لکھا ہے کہ ایک روز ہم حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دروازہ پر بیٹھے ہوئے تھے کہ اتنے میں ایک جاریہ (لونڈی) گذری لوگوں نے کہا کہ یہ امیر المومنین کی باندی ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا یہ امیر المومنین کی باندی نہیں ہے اور کیسی باندی جبکہ امیر المومنین کے لئے خداوند تعالیٰ کے مال میں سے باندی رکھنی حلال بھی نہیں ہے ہم نے عرض کیا تو پھر کیا حلال ہے آپ نے فرمایا کہ عمر کے لئے سوائے ان چیزوں کے اللہ تعالیٰ کے مال سے کچھ حلال نہیں ہے۔ دو کپڑے جاڑوں کے، دو گرمیوں کے، حج اور عمرے کا خرچ اپنا اور اپنے اہل وعیال کا کھانا اور یہ بھی مثل ایک مرد قریش معمولی درجہ کے موافق کہ نہ امیر ہو نہ فقیر اس کے بعد میری بھی وہی حیثیت ہے جو ایک معمولی مسلمان کی۔

حزیمہ بن ثابت کہتے ہیں کہ جب آپ کسی کو حاکم بنا کر کہیں بھیجتے تھے تو یہ شرط کر دیتے تھے کہ ترکی گھوڑے پر نہ سوار ہوا اچھا عمدہ کھانا نہ کھائے باریک کپڑا نہ پہنے ضرورت مندوں کے لئے اپنے دروازہ کو بند نہ رکھے اور اگر ایسا کیا تو سزا کا مستوجب ہوگا۔

عکرمہ بن خالد کہتے ہیں کہ حفصہ اور عبداللہ وغیرہ لوگوں نے آپ سے عرض کیا کہ اگر آنجناب اچھا کھانا کھایا کریں تو حق تعالیٰ کے کام پر

اور زیادہ قوی ہو جائیں۔ آپ نے فرمایا کیا سب کی یہی رائے ہے لوگوں نے عرض کیا کہ سب کی یہی رائے ہے آپ نے فرمایا تمہاری خیر خواہی کا میں مشکور ہوں لیکن میں نے اپنے دونوں دوستوں کو اسی شاہ راہ پر چھوڑا ہے اگر خدانخواستہ میں ان کی شاہ راہ کو چھوڑ دوں تو ان دونوں کی رفاقت میں نہیں پا سکتا کہتے ہیں کہ ایک سال ذرا خشک سالی ہوئی تو آپ نے اس سال گھی اور روغن دار کھانا چھوڑ دیا۔

ابن ابی ملیکہ کہتے ہیں کہ عقبہ بن فرقد نے آپ سے اچھی غذا کھانے کے لئے عرض کیا تو آپ نے فرمایا افسوس ہے کہ میں اس چند روزہ زندگی اپنی نیکیوں کا بدلہ کھالوں۔

حسن کہتے ہیں کہ ایک روز حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنے بیٹے عاصم کے پاس آئے اور انہیں گوشت کھاتے دیکھ کر فرمایا یہ کیا کھا رہے ہو انہوں نے عرض کیا کہ میرا دل گوشت کو بہت چاہ رہا تھا آپ نے فرمایا کیا جس چیز کو تمہارا دل چاہے گا وہی کھانے لگو گے، جو شخص ہمیشہ اپنی طبیعت کے موافق کھائے وہ آخرت میں چور سمجھا جائے گا۔

اسلم کہتے ہیں کہ ایک روز حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ میرا دل تازہ مچھلی کو چاہتا ہے آپ کا غلام یرفا نامی اونٹ پر سوار ہو کر چار میل مچھلی لینے گیا اور ایک جھولا بھر کر مچھلی خریدی راستے میں لوٹتی دفعہ اپنے اونٹ کو نہلا تا لایا گیا۔ آپ نے فرمایا کہ مچھلی ابھی رکھو میں اپنے اونٹ کو دیکھ لوں۔ چنانچہ آپ اونٹ کے پاس تشریف لے گئے اور آپ نے اونٹ کے کان کے نیچے جو پسینہ لگا ہوا تھا اسے دیکھ کر فرمایا کہ تو اسے دھونا بھول گیا اور میری خواہش کی وجہ سے تو نے اس جانور کو بیفائدہ تکلیف دی واللہ میں اس مچھلی کو چکھ بھی نہیں سکتا۔

حضرت قتادہ کہتے ہیں کہ اکثر حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ حالانکہ آپ خلیفہ تھے ان کا پھٹا ہوا کپڑا جس میں چمڑے کا پیوند لگا ہوتا تھا پہن لیتے تھے اور اسی طرح درہ لئے ہوئے بازار چلے جاتے تھے اور اہل بازار کو ادب اور تنبیہ کرتے تھے۔ اگر آپ کے سامنے ترکش کی پرانی رسی یا چھوارے کی گٹھلی آ جاتی تھی تو اس کو اٹھا لیتے تھے اور لوگوں کے گھروں میں پھینک دیا کرتے تھے تا کہ لوگ پھر اس سے نفع اٹھائیں

حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے کرتے میں پیچھے مونڈھے کے پاس چار پیوند لگے ہوئے دیکھے۔

ابو عثمان نہدی کہتے ہیں کہ میں نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پائجامہ میں چمڑے کا پیوند لگا دیکھا۔ عبداللہ بن عامر بن ربیعہ کہتے ہیں کہ میں نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے ساتھ حج کیا اثنائے سفر میں آپ منزل پر پہنچ کر کوئی خیمہ یا تنبو نہ کھڑا کرتے تھے بلکہ یوں ہی کسی درخت پر کوئی کملی یا کپڑے وغیرہ کا سائبان ڈال لیا کرتے تھے اور اس کے سایہ میں بیٹھ جاتے تھے۔

عبداللہ بن عیسیٰ کہتے ہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے چہرے پر روتے روتے دو سیاہ لکیریں پڑ گئی تھیں اور بعض دفعہ حضرت عمر اپنی وظیفے کی آیت پڑھتے پڑھتے ایسے گرتے تھے کہ کئی دن تک لوگ بیمار پرسی کرنے آتے تھے۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں ایک باغ میں گیا ابھی میں دیوار کے اس طرف تھا اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ دوسری طرف کہ میں نے سنا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرما رہے ہیں کہ اے عمر کہاں تو اور کہاں امیر المومنین کا رتبہ۔ ذرا خدا سے ڈرو ورنہ اللہ تعالیٰ تجھ کو سخت عذاب کریں گے۔

عبداللہ بن عامر بن ربیعہ کہتے کہ میں نے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو دیکھا کہ آپ نے زمین سے ایک تنکا اٹھایا اور کہا کاش میں بھی تنکا ہوتا اور مجھے میری ماں نہ جنتی اور میں کچھ نہ ہوتا۔

عبداللہ بن عمر بن حفص کہتے ہیں کہ ایک روز حضرت عمر رضی اللہ عنہ مشک کاندھے پر اٹھا کر لے چلے لوگوں نے کہا کہ یہ کیا۔ آپ نے فرمایا میری طبیعت میں تکبر و غرور پیدا ہو گیا تھا اس کو میں نے ذلیل کیا ہے۔

محمد بن سیرین کہتے ہیں کہ آپ کے خسر آپ کے پاس آئے اور انہوں نے چاہا کہ مجھے کچھ بیت المال میں سے دے دیں۔ آپ نے جھڑک دیا اور کہا کیا آپ چاہتے ہیں کہ خداوند تعالیٰ کے نزدیک میں خیانت کنندہ بادشاہوں میں شمار ہوں۔ پھر آپ نے ان کو اپنے مال سے دس ہزار درہم عطا کئے۔

نخعی کہتے ہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ زمانہ خلافت میں تجارت بھی کیا کرتے تھے۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں عالم الرمادہ (قحط کا سال) میں آپ نے گھی کھانا چھوڑ دیا تھا روغن زیتون کھانے سے ایک روز آپ کے شکم مبارک میں قراقر ہوا تو آپ نے انگلی مار کر فرمایا ہمارے پاس اس کے سوا اس وقت تک کچھ نہیں ہے جب تک قحط سالی موجود ہے۔

سفیان عینہ کہتے ہیں کہ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ فرمایا کرتے تھے۔ مجھے سب سے زیادہ وہ شخص محبوب ہے جو میرے عیب مجھ پر ظاہر کرتا رہے۔

اسلم کہتے ہیں کہ میں نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ بن خطاب کو دیکھا کہ اپنے ہاتھوں سے گھوڑے کے کان پکڑ کر اس کی پشت پر کود کر بیٹھ جاتے تھے۔

ابن عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت عمر کو کبھی نہیں دیکھا کہ آپ کو غصہ آیا ہو اور کسی نے اللہ کا ذکر کیا یا خوف خدا دلایا ہو یا قرآن شریف کی کوئی آیت تلاوت کی ہو اور آپ کا غصہ نہ اتر گیا ہو۔

حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے حضرت اسلم سے حضرت عمر رضی اللہ تعالی عنہ کے متعلق دریافت کیا کہ تم نے حضرت عمر کو کیسا پایا انہوں نے کہا کہ وہ سب سے اچھے آدمی ہیں مگر جب وہ غصہ میں ہوتے ہیں تو پھر سنبھالنا مشکل ہے حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ جس وقت وہ غصہ میں ہوتے ہیں تو تم کوئی آیت کیوں نہیں پڑھ دیا کرتے کہ ان کا سب غصہ اتر جائے۔

احوص بن حکیم اپنے باپ سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے سامنے گوشت پیش کیا گیا جس میں گھی پڑا ہوا تھا آپ نے اس کے کھانے سے انکار کر دیا اور فرمایا کہ ہر ایک ان دونوں سے علیحدہ علیحدہ سالن ہے پھر دونوں کے ملا دینے کی کیا ضرورت ہے۔ یہ تمام واقعات ابن سعد نے لکھے ہیں۔

ابن سعد نے حسن سے روایت کی ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالی عنہ نے فرمایا ہے کہ مجھے لوگوں کی اصلاح کا طریقہ آسان معلوم ہوتا ہے کہ میں ایک امیر کو دوسرے امیر کی جگہ تبدیل کر دوں۔

اب یہاں دیکھتے ہیں کہ غیر مسلموں کے ساتھ جناب سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کا کیا رویہ تھا، اور یہ تحریر ہے نامور مولانا پروفیسر حمید الدین مرحوم کی۔

''**غیر مسلموں سے سلوک**: عرب کے ہمسایہ میں دو بڑی سلطنتیں تھیں، روم اور فارس۔ اور انہی سلطنتوں کے بیشتر علاقے مسلمانوں نے فتح کیے۔ ان علاقوں میں غیر اقوام کا ذکر ہی کیا وہاں کی ہم قوم رعایا کے ساتھ جو سلوک ہو رہا تھا، وہ غلاموں سے بھی بدتر تھا اہل شام اگرچہ رومیوں کے ہم مذہب تھے مگر اس کے باوجود انھیں اپنی زمینوں پر حقوق ملکیت حاصل نہ تھے۔ وہ خود ایک قسم کی جائداد تصور کیے جاتے جب زمین ایک آقا کے قبضہ میں جاتی وہ بھی اس کے ساتھ منتقل ہو جاتے۔ اور نئے آقا کو ان پر وہی حقوق حاصل ہوتے جو پہلے آقا کو تھے یہودیوں کی حالت تو اور بھی ناگفتہ بہ تھی۔ وہ بیچارے غیر مذہب کے پیروکار ہونے کی وجہ سے محروم تھے۔ ایران میں جو عیسائی آباد تھے ان کے حالت بھی شامی یہودیوں کی طرح سخت قابل رحم تھی۔

جب یہ ممالک مسلمانوں کے قبضہ میں آئے تو ان کی حالت یکدم تبدیل ہوگئی۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے انھیں مسلمانوں کے ساتھ مساویانہ حقوق دیے اور ان کا درجہ وہی ہو گیا جو دو برابر کے معاہدہ کرنے والوں کا ہوتا ہے، ہر قوم کے بنیادی حقوق، جان، مال اور مذہب سے وابستہ ہوتے ہیں۔ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے مفتوحہ اقوام کے ان تینوں بنیادی حقوق کا تحفظ کر دیا۔ بیت المقدس کے عیسائیوں کے ساتھ جو معاہدہ کیا گیا اس کے الفاظ یہ تھے:۔

''یہ وہ امان ہے جو خدا کے غلام امیر المومنین حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اہل ایلیا کو دی۔ یہ امان، جان، مال، گرجا، صلیب، تندرست، بیمار اور ان کے تمام اہل مذاہب کے لئے ہے۔ نہ ان کے گرجا گھروں میں سکونت اختیار کی جائے گی، نہ وہ ڈھائے جائیں گے، نہ ان کے احاطہ کو نقصان پہنچایا جائے گا، نہ ان کی صلیبوں اور ان کے مال میں کمی کی جائے گی، مذہب کے بارہ میں ان پر قطعا کوئی جبر نہیں کیا جائے گا۔ مزید برآں ان میں سے کسی کو کوئی نقصان نہیں پہنچایا جائے گا''۔

اس قسم کے معاہدے باقی اقوام کے ساتھ بھی کیے گئے۔ چنانچہ جرجان، موقان اور آذربائیجان کے معاہدوں کے الفاظ یہ ہیں:۔

''جان و مال و مذہب اور شریعت کو امان ہے''

ان معاہدوں کی پوری پوری پابندی کے لئے حضرت عمر رضی اللہ عنہ وقتاً فوقتاً گورنروں کو تاکید کرتے تھے۔ حضرت ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ کو شام کی فتح کے بعد فرمان بھیجا کہ ''مسلمانوں کو منع کرنا کہ ذمیوں پر ظلم نہ کرنے پائیں، نہ ان کو نقصان پہنچائیں، نہ ان کا مال بے وجہ کھائیں، اور جس

قدر شرطیں ان سے کی ہیں سب وفا کی جائیں۔''

ذمیوں کی جان و مال کو مسلمانوں کی مال و جان کے برابر قرار دیا۔ اگر کوئی مسلمان کسی ذمی کو مار ڈالتا تو اس کے قصاص میں مسلمان کو قتل کر دیا جاتا چنانچہ ایک دفعہ قبیلہ بنی بکر کے آدمی نے ایک عیسائی کو قتل کر ڈالا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے لکھ بھیجا کہ قاتل کو مقتول کے ورثاء کے حوالے کر دیا جائے۔ اس حکم کی فوری تعمیل ہوئی اور وارثوں نے اس مسلمان کو قتل کر ڈالا۔ بیت المال سے ذمی اپاہجوں اور ناداروں کو بھی اسی طرح وظیفے دیئے جاتے تھے جس طرح مسلمانوں کو۔ یہ طریقہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے جاری کیا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے عہد میں اسے بحال رکھا۔ اس قسم کے مسلمان وظیفہ خواروں کو مساکین کے نام سے موسوم کیا جاتا تھا۔ ذمیوں کو زمین کا جو لگان ادا کرنا پڑتا تھا اس کی شرح بہت کم تھی۔ لیکن اس پر بھی حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو ہمیشہ یہ فکر رہتی کہ کہیں ان پر سختی تو نہیں کی گئی۔ اس امر کی تسلی کرنے کے لئے ہر سال جب عراق کا خراج آتا تو بصرہ اور کوفہ سے دس دس معتبر اشخاص کو بلا کر قسم لیتے کہ مال گذاری وصول کرنے میں کوئی سختی تو نہیں کی گئی۔ وفات سے تین روز قبل کا واقعہ ہے کہ بندوبست کے افسران کو طلب کر کے بار بار پوچھتے کہ مال گذاری کی شرح سخت تو نہیں۔

ایک بہت بڑی رعایت جو ذمیوں کو دی گئی، وہ یہ تھی کہ ملکی انتظام میں انھیں بھی دخل تھا۔ اور ایسے تمام امور میں جن کا تعلق ذمیوں سے ہوتا تھا، ان سے صلاح و مشورہ کر لیا جاتا اور کوئی قانون ان کی رضامندی کے بغیر نافذ نہ کیا جاتا تھا۔ عراق کی زمین پیمائش کرائی تو پہلے وہاں کے ذمیوں سے مشورہ کر لیا۔ مصر میں زرعی اصلاحات نافذ کیں تو وہاں کے باشندوں سے صلاح لے لی۔

ذمیوں سے فوجی خدمات نہیں لی جاتی تھیں۔ اس لئے اس کے عوض نیز ان کے جان اور مال کی حفاظت کے صلہ میں انھیں ایک ٹیکس دینا پڑتا تھا جسے جزیہ کہتے تھے۔ لیکن جزیہ کی شرح زکوٰۃ کی نسبت کہیں کم تھی۔ جو لوگ مفلس اور نادار تھے انہیں جزیہ سے مستثنیٰ قرار دیا گیا۔ اور وہ لوگ جن سے ہنگامی حالت کے پیش نظر فوجی خدمت لی جاتی ان کا جزیہ بھی معاف کر دیا جاتا۔ اس سب پر طرہ یہ کہ اگر کسی بنا پر مسلمان ذمیوں کی جان اور مال کی حفاظت سے معذور ہو جاتے تو سارے کا سارا جزیہ انہیں واپس کر دیا جاتا۔ چنانچہ ایک بار جب رومیون کے مقابلہ میں اسلامی لشکر کو جنگی مصلحتوں کی بنا پر پیچھے ہٹنا پڑا تو انہوں نے جزیہ کی رقم شامیوں کو لوٹا دی۔ وہاں کے عیسائی اور یہودی باشندے اس بے نظیر انصاف سے اتنے متاثر ہوئے کہ بصدق دل دعائیں کیں۔ ''مسلمانو! خدا تمہیں دوبارہ یہاں لائے۔''

مذہبی رسومات کی ادائیگی میں ذمیوں کو پوری پوری آزادی حاصل تھی وہ اعلانیہ طور پر ناقوس بجاتے، صلیب نکالتے اور اپنے مذہبی تہوار مناتے۔ البتہ نماز کے وقت ناقوس بجانے کی ممانعت تھی۔ اسلام کی اشاعت میں اگرچہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ بڑے کوشاں رہتے تھے لیکن یہ سلسلہ محض پند و نصیحت اور تبلیغ تک ہی محدود رہتا۔ کسی کو تبدیل مذہب کرنے پر مجبور نہ کیا جاتا اور نہ ہی اس بارے میں کسی قسم کی سختی کو روا رکھا جاتا۔

ذمیوں کے ساتھ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے حسن سلوک کا یہ عالم تھا کہ اگر انھوں نے کبھی سازش یا بغاوت کی تو پھر بھی رعایت سے کام لیا۔ غداری اور بغاوت ایسے جرائم ہیں جنھیں اس مہذب اور متمدن زمانہ میں بھی کوئی حکومت برداشت نہیں کر سکتی۔ مگر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ایسے موقعوں پر کمال رواداری اور انصاف سے کام لیا۔ ملک شام میں شہر مرادس کے ذمی در پردہ رومیوں سے ساز باز کرتے رہے اور ففتھ کالم کا کام کرتے تھے۔ امیر المومنین کو اطلاع ہوئی تو وہاں کے حاکم عمر بن سعد کو لکھ بھیجا کہ جس قدر ان کی جائداد، زمین، مویشی اور اسباب ہے، سب کا حساب کر کے دگنی قیمت ادا کر دو۔ اور انھیں کہہ دو کہ مرادس سے نکل جائیں اور اگر اس پر راضی نہ ہوں تو ایک سال کا نوٹس دو اور اس کے بعد جلاوطن کر دو''۔

انہی مہربانیوں اور احسانات کی بدولت ذمی اکثر اپنے ہم مذہب حکمرانوں کی بجائے مسلمانوں کی حکومت کو ترجیح دیتے۔ ان کیلئے رسد بہم پہنچانے کا بندوبست کرتے، اسلامی لشکر کے لئے سڑکیں اور پل تیار کرتے اور سب سے بڑھ کر یہ کہ جاسوسی اور خبر رسانی کا کام کرتے۔

☆......☆......☆

اتحاد ملت

کی ضرورت و صورت

قسط: 30

پروفیسر محمد حسین آسی

محمد عبدالودود کا خط: آپ نے گذشتہ قسط میں محمد عبدالودود صاحب زادعمرہ وعلمہ کا محبت نامہ ملاحظہ فرمایا۔ انھوں نے میری صحتِ کاملہ کے لئے بارگاہ خداوندی میں دعا کی ہے۔ واقعی اس کی شدید ضرورت ہے۔ صورت حال یہ ہے کہ چلنا پھرنا تو مشکل تھا ہی، اب زیادہ بیٹھنا بھی دشوار ہے اور حافظہ بھی بری طرح متاثر ہو رہا ہے چنانچہ آٹھوں پہر پاس رہنے والے نوجوانوں میں سے بھی کسی کو بلانا پڑتا ہے تو اکثر منٹ آدھ منٹ کے بعد ہی نام یاد آتا ہے۔ ہاں یہ اللہ اور اس کے رسول اکرم ﷺ کا فضل و کرم ہے کہ 'الحقیقہ' کے تازہ مضامین کی قسطوں میں یہ صورت حال نہیں ہوتی بلکہ محبوبان خدا کے کمالات کا یہ ایک جلوہ ہی ہے کہ کبھی کبھی تین تین چار چار گھنٹے بیٹھا لکھتا رہتا ہوں۔ تازہ مضامین یہی تین چار ہیں، توحید اور محبوبان خدا کے کمالات، اتحاد ملت کی ضرورت و صورت، اسلام اور شیطان کے سپوت، اور اداریہ۔۔۔ باقی مضامین بلکہ اکثر نعتیں بھی بہت پرانی ہوتی ہیں، کوئی تیس بتیس سال اور کوئی بیس اکیس سال پہلے کی تحریر۔ ان پرانی تحریروں کے بارے میں ممنون صاحب اور حاجی شوکت صاحب کی آرزو یہ ہے کہ ایک دفعہ محفوظ ہو جائیں۔ چونکہ مجھے دیکھنے والے مجھے چراغ سحری سمجھتے ہیں، اس لئے مخلصین کا یہ رویہ بھی نا قابل فہم نہیں۔

میں اپنے اللہ ارحم الراحمین کا پھر شکر ادا کرتا ہوں اور ساتھ ہی حضور پرنور سرکار رحمۃ للعلمین کا، جن کے فضل سے یہ مضمون لکھے گئے اور بہت سے لوگوں کی بہت سی غلط فہمیاں دور ہوئیں۔ 'الحقیقہ' میں ایک خط ہی شائع ہوا ہے ورنہ بہت سے بزرگوں اور دوستوں نے ان کی خوب تحسین و توثیق فرمائی ہے۔ ہاں خدا اور محبوب خدا علیہ التحیۃ والثنا کا یہ فضل مجھ پر میرے آقا و مولا، میرے محسن و مربی، شہنشاہ ولایت حضور نقش لاثانی علی پوری قدس سرہ کی دعا و توجہ سے ہوا، ورنہ میں کس قابل تھا اور کس قابل ہوں، لہٰذا ان کا بھی صمیم قلب سے شکریہ ادا کرتا ہوں۔

اصل اسلام: اب آیئے عزیزم محمد عبدالودود صاحب کے پہلے جملے کی طرف، فرماتے ہیں۔

> 'السلام علیکم' اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ آپ کو صحت کاملہ، تو جوانان ملت اسلامیہ تک اصل اسلام پہنچانے اور مزید حقائق سے پردہ اٹھانے کی توفیق عطا فرمائے، آمین،۔

صحت کی بات تو ہو چکی، آیئے اصل اسلام کی طرف۔ حقیقت یہ ہے کہ موجودہ دور میں اسلام دشمنوں کی سب سے بڑی کوشش یہ ہے کہ اسلام کا اصل چہرہ دنیا کی نظر سے اوجھل رہے۔ اسلام کے دشمن جانتے ہیں اگر اسلام اپنی پوری آب و تاب کے ساتھ آشکارا ہو جائے تو خلوص دل سے حق کی تلاش کرنے والوں کیلئے اس کا قبول نہ کرنا ناممکن ہوگا۔ اس کے لئے مزید کسی دلیل اور بحث و تمحیص کی ضرورت ہی نہیں رہے گی بلکہ 'آفتاب آمد دلیل آفتاب' کے مصداق یہ آپ ہی ان کی ذہنی تسکین کیلئے کافی و شافی ہوگا۔ ہونا تو یہ چاہئے تھا کہ دشمن اس کی عظمت اور افادیت کو اجاگر کرتے اور خود قبول کر کے اسے دوسروں کے سامنے پیش کرتے اسلام کے ذریعے ان کے مسائل کے حل میں ان کی مدد کرتے۔ انسانی ہمدردی کا یہی تقاضا تھا مگر وہ تو انسانوں کے بلکہ اپنے بھی ہمدرد نہیں لہٰذا انھوں نے اسلام دشمنی کا تقاضا ہی پورا نہیں کیا، انسان دشمنی کا حق بھی ادا کر دیا۔

آج مشرق ومغرب میں انسان مسائل سے دوچار کسی چوراہے پر حیران کھڑا راستے کی تلاش میں ہے مگر اسے کوئی خضر راہ نہیں مل رہا جو اس کی مشکل حل کردے اور اس کو جادہ ومنزل سے آشنا کردے۔ چلانے والے جس راہ پر اسے چلانا چاہتے ہیں، وہ ایک مدت سے اسے دیکھ چکا ہے اور نتیجے میں اس کی پریشانیوں میں اضافہ ہی ہوا ہے۔ ہاں اس کا حل وہی ہے جو بڑی کوشش سے اس کی نظر سے چھپایا جا رہا ہے اور وہ ہے اسلام اپنی اصل شکل میں، اسے نافذ کرو، انسان کے ہر قسم کے معاشی ومعاشرتی، حکومتی وسیاسی، فکری وعلمی مسائل حل ہو جائیں گے۔ دنیا لہولہان ہے، انسان کے جوڑ جوڑ سے خون رس رہا ہے، گھر گھر میں آگ لگی ہوئی ہے اور آگ کے شعلے آسمان سے باتیں کر رہے ہیں، ظلم وستم کا بازار گرم ہے۔ اس قسم کی صورت حال کا چارہ اسلام کے سوا ممکن ہی نہیں مگر اسلام اور انسان کے دشمنوں نے اس سے فائدہ اٹھانے کی بجائے اسے معاذ اللہ 'دہشت گردی کے مذہب' کے طور پر پیش کیا۔ شیطان کی یہی سوچ ہے، اسی لئے اس قسم کی سوچ والوں کو ہم شیطان کے سپوت کہتے ہیں اور الحقیقہ میں 'اسلام اور شیطان کے سپوت' کے عنوان سے جو قسط وار مضامین شائع کر رہے ہیں، وہ انھیں کی تردید میں ہیں بہرحال شیطان لوگ اپنی شیطنت کا بھرم رکھنے کے لئے 'اسلام' کو اس کی اصلی صورت میں ظاہر کرنے سے خائف ہیں۔ دیکھئے اسلام کا ایک معنیٰ 'امن وسلامتی' بھی ہے۔ مگر انسان دشمنوں نے انسانوں کے سامنے معاذ اللہ اس کو دہشت گردی کا دین ظاہر کیا۔

یہ ہیں تفاوت راہ از کجاست تا بکجا

قرآن اور صاحب قرآن کے خلاف ہرزہ سرائی: یونہی دشمنوں نے قرآن پاک کے بارے میں بالکل منفی اور برعکس پروپیگنڈا کیا اس نے انسانیت کو ایک پلیٹ فارم پر آنے کا سبق دیا اور مکمل طور پر ان میں یگانگت وموافقت وموانست پیدا فرمائی۔ قرآن پاک کے سوا اس وقت کس مذہب کی کتاب آسمانی ہے اور پوری طرح محفوظ ہے۔ نیز کس مذہب کی کتاب نے وحدت انسانیت کی تلقین فرمائی ہے۔ قرآن کا ایک معنیٰ ہے ملانے والا، جو ملانے آیا اور جس نے گورے کالے کی تمیز مٹا کر عملاً ملا کے دکھایا اور آج بھی جس کے ماننے والے سب سے زیادہ وحدت انسانیت کے علمبردار ہیں، اسی کتاب مقدس کو دہشت گردی اور انتشار پھیلانے والی کتاب کہا جا رہا ہے۔

پھر وہ شخصیت مقدسہ جس پر یہ کتاب اتری، اسی کو اسی کتاب میں رحمۃ للعلمین' فرمایا گیا، گویا سارے جہان والوں کے لئے رحمت۔ تاریخ میں کسی قوم نے اپنے سربراہ کو اور کسی مذہب نے اپنے ہادی کو رحمۃ للعلمین نہیں کہا کیونکہ کسی ہادی کے علمی وعملی کارناموں کو دیکھ کر کبھی کسی کے ذہن میں اس کے بارے میں یہ تصور ہی پیدا نہیں ہوا۔ یہاں صورت حال یہ ہے کہ جس اللہ رب العلمین نے اپنے محبوب ومکرم ومعظم ﷺ کو ساری کائنات کیلئے مبعوث فرمایا اسی نے اسی کو رحمۃ للعلمین بنایا، یاد رہے راحم یعنی رحم کرنے والا نہیں فرمایا گیا۔ کیونکہ ہو سکتا ہے رحم کرنے والا کبھی رحم چھوڑ کر ظلم کا ارتکاب کر بیٹھے اور ظالم ہو جائے مگر جس چیز کو رحمت کہا جاتا ہے وہ کبھی اور کسی صورت میں بھی زحمت نہیں ہو سکتی۔ سوچئے رب العالمین جل مجدہ نے اپنے جس حبیب مکرم کو رحمۃ للعلمین فرمایا اور جس کی رحمت سے اپنوں نے ہی فیض نہیں پایا' دوسرے بھی مراد سکون بلکہ زندگی پاتے رہے اسی کی رحمت کا انکار کر کے اسی کو برعکس انداز میں پیش کرنا، آخر کیوں؟ صرف اس لئے شیطان صفت لوگ انسانوں کے دشمن ہیں، نہیں چاہئے کہ اولاد آدم اس فخر آدم وجان عالم علیہما السلام کے حلقہ بگوش ہو کر رحمت سے مالا مال ہو۔

کلمہ گو اہل بغض: جس طرح غیروں نے پیغمبر اسلام ﷺ، اور قرآن پاک کے خلاف بالکل برعکس انداز میں پروپیگنڈا کیا، یونہی بعض لوگ اپنوں کا لبادہ اوڑھ کر میدان عمل میں اترے مگر انھوں نے بھی اسلام کو اس کی حقیقی صورت میں پیش نہ کیا اور قرآن بلکہ صاحب قرآن ﷺ کے بارے میں بھی ان کے دل صاف نہیں تھے۔ انھوں نے سب سے پہلے منصب رسالت پر تنقید شروع کی تو تنقیص تک پہنچ گئے۔ چنانچہ کلمہ پڑھنے کے باوجود حب رسول ﷺ کے بجائے بغض رسول ﷺ کو اپنے دل میں پروان چڑھاتے رہے۔ حتیٰ کہ بغض کی ظلمات سے ان کا سارا سینہ اٹ گیا اور دل کے کسی بھی گوشے میں ادب ومحبت کی کوئی کرن نہ رہی۔ پھر انہوں نے اسی تاریکی میں اسلام پر غور کیا اور بغض کی عینک لگا کر قرآن فہمی کی کوشش کی خصوصاً اپنے نبی علیہ الصلوۃ والسلام کے بارے میں ان کا انداز از حد جارحانہ وگستاخانہ ہو گیا۔ پھر بدبختی کی انتہا یہ کہ اسی باغیانہ فکر کو

انھوں نے خالص توحید قرار دیا۔اب جو کچھ بھی ہرزہ سرائی کریں، ان کی شیطانی سوچ نے ان کا دل بہلانے کے لئے تسلی دے دی کہ توحید کی حفاظت یونہی ممکن ہے۔انھوں نے سوچنا گوارا ہی نہیں کیا کہ قرآن پاک نے صراحتاً حضور پرنور ﷺ کی ادنیٰ سے ادنیٰ بے ادبی پر بھی عمر بھر کے اعمال کی ضبطی کی وعید سنائی ہے۔مگر وہ قرآن کو مانتے ہی کب تھے کہ کچھ سوچتے پھر اسلام کے ساتھ بھی ان کا تعلق اپنوں سا نہیں۔ظاہر ہے جب وہ بانی اسلام ﷺ کے ہی باغی تھے، اسلام کے کیونکر ہمدرد ہو سکتے تھے۔کون نہیں جانتا اسلام کا ایک معنیٰ سراپا تسلیم ورضا ہونا ہے اور یہ سراپا جور و جفا ہیں۔'توحید' توحدت کی طرف بلاتی ہے اور ملت اسلامیہ میں اتحاد پیدا کرنے کا نہایت اہم وسیلہ ہے مگر یار لوگوں نے اسی توحید کو انتشار و افتراق کا ذریعہ بنا دیا اور بالکل برعکس انداز میں پیش کیا۔حقیقت یہ ہے کہ اگر حضور پرنور ﷺ سے محبت ہو اور اسلام و قرآن پاک کو بالکل اصل شکل میں پیش کیا جائے تو مسلمانوں کی باہمی فرقہ واریت بھی بہت جلد دور ہو سکتی ہے۔

اسی نیت سے 'توحید اور محبوبان خدا کے کمالات' لکھی جا رہی ہے۔چنانچہ پہلی پچیس قسطوں پر مشتمل پہلا حصہ شائع ہو کر ختم بھی ہو گیا ہے۔اور جس طرح عزیز القدر محمد عبدالودود صاحب نے مثبت خیالات کا اظہار فرمایا ہے، یونہی دوسرے احباب و اعزہ نے اسے از حد سراہا ہے۔یقیناً اللہ اور حبیب مکرم ﷺ کے فضل و کرم ہی سے ایسا ہو سکا اور مرشد عالی علیہ الرحمہ ہمیشہ کی طرح میرا وسیلہ بنے رہے۔

توحید، قرب خدا اور مقام خلافت:

> عبدالودود صاحب لکھتے ہیں "میں نے زندگی کا ایک لمبا عرصہ مرکز ابن قاسم بوسن روڈ ملتان میں دینی تعلیم حاصل کرنے میں گزارا۔چونکہ یہ مدرسہ اہل حدیث مسلک سے تعلق رکھتا ہے۔لہٰذا مجھ میں کافی حد تک اہل حدیث مسلک کے عقائد راسخ ہو چکے تھے مثلاً
>
> ۱۔ اولیاءاللہ کے مزارات پر جانا شرک۔
>
> ۲۔ نبی پاک ﷺ کی حیات بعد از وصال کا انکار۔۔۔

توحید کے ان خیر خواہوں کو اس بات کی سمجھ ہی نہ آسکی کہ بندہ جب اپنے رب کا مقرب بن جاتا ہے تو اس کے ہاتھ، پاؤں، کان اور آنکھ بلکہ عقل و شعور میں رب کا نور جلال جلوہ گر ہو جاتا ہے جیسا بخاری شریف اور بعض دوسری کتب حدیث سے واضح ہے اور اس قرب خداوندی کی بنا پر وہ اپنی شان کے لائق خلافت خداوندی کے منصب پر فائز ہو کر بے پناہ قوتوں سے لیس ہو جاتا ہے۔یہ قوتیں اہل شرک کے ہاں کہاں، بندے کی یہی طاقت اسلام کی، قرآن اور صاحب قرآن ﷺ کی صداقت کا ثبوت بن جاتی ہیں۔بندہ مقرب انھیں خداداد قوتوں سے زمانے پر حکومت کرتا ہے۔پہاڑوں کو مائل نجرام، مہ و پرویں کو نخچیر، درندوں کو رام، اور مردوں کو زندہ کرتا ہے۔غیر اس کے ان توحیدی کمالات کو دیکھ کر حلقہ بگوش اسلام ہونے پر مجبور ہو جاتے ہیں اور صدق دل سے دین حق سے وابستہ ہو جاتے ہیں۔چنانچہ تاریخ ہندو پاک میں داتا گنج بخش ہجویری، خواجہ غریب نواز اجمیری، بابا فریدالدین گنج شکر، حضرت نظام الدین اولیا محبوب الٰہی، سیدنا مجدد الف ثانی قدست اسرارھم جیسے بزرگوں نے یہی کام کیا ہے اور ان کے ان توحیدی کمالات و تصرفات کی برکت سے شرک کے زنار توڑ کر ہزاروں لاکھوں لوگ جوق در جوق اور فوج در فوج اسلام قبول کرتے رہے ہیں۔مگر توحید کے ان بدنصیب 'خیر خواہوں' کو یہ قوتیں ہی شرک نظر آتی ہیں اور وہ ان مقربان خدا کو بھی معاذ اللہ مشرک کہتے نہیں شرماتے جیسا کہ حافظ سعید کالعدم لشکر طیبہ کا امیر بدتدبیر۔معاذ اللہ ان کی سوچ ہی بہت منحوس ہے۔مثلاً کسی بزرگ کا مزار اوپر سے کہیں کھل گیا۔اندر دیکھا تو بزرگ قرآن پاک کی تلاوت کر رہے ہیں، یا نماز میں مصروف ہیں، یا یونہی آرام فرما ہیں مگر پانچ صدیاں گزرنے کے بعد کفن تک میلا نہیں ہوا، جسم پاک پر ہاتھ رکھتے ہیں تو خون دب جاتا ہے، اس کیفیت کو دیکھ کر ہو سکتا ہے ہندو، عیسائی، سکھ اور یہودی اسے اسلام کی صداقت کی دلیل سمجھتے ہوئے مسلمان ہو جائیں مگر 'توحید کے ان خیر خواہوں، کے نزدیک پھر بھی یہ علامات شرک ہی ہوں گی اور ان میں صداقت اسلام کی کوئی دلیل نہیں ہوگی۔ہاں ہاں کافروں کا کفر ٹوٹ جائے تو ٹوٹ جائے مگر ان کا 'کفر' بڑا مضبوط ہوتا ہے، اسے ٹوٹنے سے کیا غرض؟

مزارات کے دشمن: ہاں ہاں مزارات پر جا کر اگر چہ کلمۂ توحید پڑھیں' قرآن پاک کی تلاوت کریں اللہ کی بارگاہ میں توبہ واستغفار کریں، ان کے نزدیک یہ سب کچھ توحید یا ایمان واسلام کی علامات نہیں بلکہ شرک ہی شرک ہے۔ جس طرح ساون کے اندھے کو ہر طرف سبزہ ہی سبزہ نظر آتا ہے، انھیں بھی اپنی مخصوص 'توحید' کے آئینے میں ہر طرف شرک ہی شرک دکھائی دیتا ہے۔ حیرت ہوتی ہے کہ یہ لوگ اپنے مردوں کو کیسے دفن کرتے ہوں گے اور تدفین تک کا عرصہ وہاں قبرستان میں کیسے گزارتے ہوں گے۔ جو لوگ ایک قبر کو برداشت نہیں کرتے وہ پورے قبرستان کو کیوں کر برداشت کرتے ہوں گے۔ پھر وہاں کوئی نہ کوئی مزار بھی تو ہوتا ہے، ان کی جان نازک پر کتنے پہاڑ گرتے ہوں گے، پھر آخر قبر اور مزار میں فرق ہی کیا ہے، یہ خود قبر کیسے کھودتے ہوں گے اور قبرستان میں اتنا عرصہ شرک سے کیسے محفوظ رہتے ہوں گے۔ ہاں ہاں جب داتا صاحب کے مزار پر جانے ہی سے شرک ہو جاتا ہے، قبرستان والے مزار سے کیوں کر سلامت آتے ہوں گے۔

شہیدوں کے بارے میں قرآن پاک کی نصِ قطعی ہے کہ وہ زندہ ہیں

ولا تقولوا لمن یقتل فی سبیل اللہ اموات بل احیاء ولکن لا تشعرون ٥ (البقرہ۔۱۵۴)

ترجمہ: اور جو خدا کی راہ میں مارے جائیں، انھیں مردہ نہ کہو بلکہ وہ زندہ ہیں، ہاں تمہیں خبر نہیں۔

دوسری جگہ فرمایا

ولا تحسبن الذین قتلوا فی سبیل اللہ امواتاً بل احیاء عند ربھم یرزقون ٥ (ال عمران:۱۶۹)

ترجمہ: اور جو اللہ کی راہ میں مارے گئے، ہرگز انھیں مردہ خیال نہ کرنا، بلکہ وہ اپنے رب کے پاس زندہ ہیں، روزی پاتے ہیں۔

جو اللہ شہیدوں کو قبروں کے اندر زندہ رکھتا ہے، کیا وہ اپنے ان سے بھی بلند تر اولیاء کو زندہ رکھنے سے عاجز وقاصر ہے۔ اور اگر شہیدوں کی زندگی اسلام کی صداقت کا دوٹوک معیار ہے۔ تو خدا کے دوسرے وفات یافتہ بندوں کی برزخی زندگی کیوں معیار نہیں۔ قرآن پاک نے عظمت کے اعتبار سے جو درجہ بندی فرمائی ہے، اس کے مطابق شہید تیسرے نمبر پر ہیں

الذین انعم اللہ علیھم من النبین والصدیقین والشھداء والصلحین ج (النساء:۶۹)

ترجمہ: جن پر اللہ نے فضل کیا یعنی انبیاء اور صدیق اور شہید اور نیک لوگ۔

مقربانِ خدا اور ان کے دشمن: جب تیسرے درجے کے لوگوں کے بارے میں یہ حکم ہو کہ قبروں میں انہیں مردہ کہنا تو کجا مردہ خیال بھی نہ کیا جائے تو ظاہر ہے پہلے دونوں درجوں کے پاک بندے بدرجہ اولیٰ زندہ ہوں گے، اور اگر فی الواقع وہ زندہ ہیں تو جانے والا مزار کے پاس نہیں جا رہا ہے' بلکہ اس شخصیت مقدسہ کی خدمت میں حاضری دے رہا ہے جو (مزار میں) پوری طرح زندہ ہے اور جس کی موت کا خیال بھی ممنوع ہے۔ اگر اے حیات انبیاء وصدیقین علیہم الصلوٰۃ والرضوان کا انکار کرنے والے بدنصیب، تجھے سمجھ ہوتی تو خود جان لیتا کہ

وہ زندہ ہیں	البتہ تو خود زندہ نہیں (کیونکہ تیری زندگی خورد ونوش کی محتاج ہے اور ان کی زندگی خورد ونوش سے بالاتر ہے
وہ سنتے ہیں	اور تو نہیں سن سکتا کیونکہ وہ سننے میں ان کانوں کے محتاج نہیں' تو محتاج ہے محتاج غیر محتاج کے برابر کیونکر ہو سکتا ہے۔
وہ دیکھتے ہیں	اور تو نہیں دیکھتا' جنت سے انہیں ٹھنڈی ہوائیں آتی ہیں جن سے ان کی قویٰ میں بے حد اضافہ ہو چکا ہے' وہ پہلے بھی اللہ کے نور جلال سے دیکھتے تھے (جیسا کہ اوپر گزرا) اور تو ان آنکھوں سے دیکھتا ہے جن کا یہاں اپریشن وغیرہ کرنا پڑتا ہے۔
وہ مدد کرتے ہیں	اور ان کے مقابل تیرا مدد کرنا بالکل ہیچ ہے کیونکہ ان کی خداداد قوتوں کے سامنے تیری کوئی حیثیت ہی نہیں۔ اور اللہ کے فضل سے ان کی مدد کا کوئی توڑ ہی نہیں۔

اور ذرا سوچ خود اندھا انکھیارے کو اندھا سمجھے' نہ سننے والا سننے والے کے سننے کا انکار کرے اور ناتواں ترین شخص اور خدا کی قدرت وقوت

کے مظہر کو ہیچ سمجھے تو کتنا عجیب ہے مگر ایسا کیوں ہے اس لئے کہ تیرا ایسی قوم سے تعلق ہے جن کے بارے میں فرمایا گیا

صم بکم عمی فھم لا یر جعون O (البقرہ ۱۸)

ترجمہ: بہرے، گونگے اندھے تو وہ پھر آنے والے نہیں۔

ہاں ہاں اے مردوں کے سننے کا انکار کرنے والے اگر تیری نیت میں خلوص ہوتا تو وہ صحیح بخاری جس کا تو لوگوں کو دھوکا دینے کے لئے بار بار نام لیتا ہے، اس کی رو سے تو ابو جہل بھی مرنے کے بعد سنتا ہے اور اس کے ہلاک ہونے کے بعد حضور خاتم النبین ﷺ نے اس کے ساتھ اسی طرح خطاب فرمایا تھا جس طرح پہلے انبیاء کرام علیہم السلام عذاب سے ہلاک ہونے والے کافروں کو ان کی ہلاکت وموت کے بعد خطاب فرمایا کرتے تھے۔ جب حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے حیرت کا اظہار کیا تو رحمۃ للعلمین ﷺ نے فرمایا ما انتم بـا سـمـع منھم (بخاری) تم ان سے زیادہ سننے والے نہیں۔

ایک واقعہ: چند سال پہلے کی بات ہے علی پور چٹھہ میں ایک نیک دل نوجوان ہوا کرتا تھا محمد ارشد (مرحوم) وہ مناظر اسلام حضرت مولانا ابوالشفقات حافظ محمد سعید صاحب مدظلہ العالی کا تربیت یافتہ تھا۔ ایک دفعہ اس کے پاس کچھ اہل حدیث حضرات یہی مسئلہ یعنی مردوں کے سننے کا پوچھنے کے لئے آئے تو ارشد نے کہا' تم اپنی جماعت کا سب سے سیدھا سادہ (کم سمجھ) آدمی لے آؤ میں یہ مسئلہ اسے بھی سمجھا دوں گا مگر تمہارا مولوی نہیں مانے گا۔ چنانچہ ایک ایسا ہی آدمی جو نمازی تھا، کو لے آئے۔ ارشد نے کہا' بابا جی! حضرت عیسی علیہ السلام مردے کو زندہ کرتے وقت کیا کہا کرتے تھے، اس نے کہا' سنا ہے عالموں سے، وہ قم باذن اللہ کہتے تھے تو مردہ زندہ ہو جاتا تھا۔ ارشد نے کہا جس کو وہ قم باذن اللہ (اٹھ اللہ کے حکم سے) کہتے تھے' وہ آواز سنتا تھا تو ہی اٹھتا تھا۔ بابا جی نے فرمایا بالکل ٹھیک' اب آ گئے مولوی صاحب مگر پھر وہی بات ملا آں باشد کہ چپ نشود (یعنی مولوی وہ ہے جو چپ نہ ہو)

غور کیجئے: دیکھئے جس دین حنیف نے کافر مردوں کی سماعت کا اقرار کیا اس کو ماننے کا دعوی کرنے والا مومن مردوں کی سماعت کا انکار کرتا ہے تو کتنا تعجب ہے، کیا قبرستان میں جا کر وہ السلام علیکم یا اھل القبور یغفر اللہ لنا ولکم و انتم سلفنا و نحن بالاثر (مشکوٰۃ بحوالہ ترمذی) (اے قبروں میں بسنے والو تم پر سلام اللہ تعالی ہماری اور تمہاری مغفرت فرمائے تم ہم سے پہلے آگئے، ہم تمہارے پیچھے آ رہے ہیں) نہیں کہتا بلکہ مسلم شریف میں سلام کے الفاظ یوں ہیں السلام علیکم اھل الدیار من المسلمین و انا ان شاء اللہ بکم لاحقون نسال اللہ لنا ولکم العافیۃ (اس بستی کے مومنو اور مسلمانو اسلام علیکم، بیشک اللہ نے چاہا تو ہم بھی عنقریب تم سے ملنے والے ہیں اللہ سے ہم اپنے اور تمہارے لئے عافیت مانگتے ہیں۔ کیا اسے معلوم نہیں جنت میں زندگی ہوگی موت نہیں ہے۔ حدیث پاک میں آپکا حق ہے تو فرمایئے موت بھی ہوتی ہے۔ مومن کامل ہو اور دیکھنے سننے سے عاری بلکہ زندگی ہی سے محروم ہو، یہ بات کافر ومنافق کے سوا کون سوچ سکتا ہے۔ حضرت اقبال علیہ الرحمۃ کے بقول

اگر ہو زندہ تو دل ناصبور رہتا ہے — لحد میں بھی وہی غیب وحضور رہتا ہے

ترے وجود کے مرکز سے دور رہتا ہے — فرشتہ موت کا چھوتا ہے گو بدن ترا

منکرین کے ایسے انکار واقوال کی تاریخ بہت مختصر ہے۔ انگریزوں کے ناپاک قدم برصغیر میں کیا آئے ان کے سینے' روشن' ہو گئے۔ اسلام کی ساری تاریخ بھول گئے اور اولیائے کرام کے مزارات کے فیوض و برکات یکا یک ان کی نظر سے اوجھل ہو گئے۔ ایسا کیوں نہ ہوتا۔ انگریز مسلمانوں میں انتشار پیدا کرنا چاہتے تھے اور ان کے ایمان کو کمزور کرنا چاہتے تھے ان بزرگوں کے مزارات سے ہٹا کر ان کے دونوں مقصد پورے ہو جاتے تھے چنانچہ اس موضوع پر اردو میں سب پر پہلے لکھی جانے والی کتاب ' تقویت الایمان ' کی انتشار انگیزی کی قوت کو انہوں نے محسوس کر لیا تو خود اس ' مجرب نسخے ' کی اشاعت کے لئے اس کا اگلا اڈیشن شائع کیا اور برصغیر کے گوشے گوشے تک اسے پھیلایا۔ چنانچہ جن مسلمانوں سے وہ حکومت چھین رہے تھے، انہیں کمزور کر کے ان کے ملک پر قبضہ کرنا بہت آسان ہو گیا۔ اس سے پہلے نجد کی سر زمین سے بھی ایک سورما محمد بن

عبدالوہاب' تیار کر چکے تھے اور اس سے 'کتاب التوحید' لکھوا چکے تھے۔ نجد کی کتاب التوحید عربی میں ہے اور دِلّی کی تقویت الایمان اردو میں۔ دونوں میں یہ زبان کا اختلاف ہی ہے ورنہ مضمون دونوں کا ایک ہے۔

باغیوں کا اصل ہدف: اولیاء اور صدیقین سے دور کر کے ان کا اصل ہدف عظمت رسالت تھا' چنانچہ اس طرف بھی متوجہ ہوئے اس سلسلے میں ان کے اولین فکری و عملی پیشوا و مقتدا مدینہ منورہ کے منافقین تھے۔ وہ بھی 'رسول' اور 'نبی' کے خصائص و فضائل کے منکر تھے اور انہوں نے بھی یہی راستہ اختیار کیا تھا۔

دور اول میں حضور پرنور ﷺ ظاہری طور پر بھی جلوہ گر تھے اور ان کے پروانے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اپنے آقا و مولا ﷺ کی شان میں ذرا سی گستاخی بھی برداشت نہیں کر سکتے تھے لہٰذا آپس میں تو منافقین دل کی بھڑاس نکال لیا کرتے تھے البتہ شمع رسالت کے پروانوں کے سامنے بہت حد تک منقار زیر پر رکھتے تھے اور تنہائی کی گفتگو پر بھی وحی خداوندی قہرباری کرتی تو منافقین بالکل سہم جاتے تھے۔ اب حضور پرنور ﷺ بھی سامنے جلوہ افروز نہیں' صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا جذبہ عشق سامنے بھی نہیں وہ لوگ جن کے اشاروں پر انہوں نے دین دھرم کا سودا کیا' ان کی اپنی حکومت ہے' لہٰذا انہوں نے بڑی دلیری سے منصب نبوت پر حملے کئے اور پانچ دس فیصد امت کو بھی اپنے ساتھ ملا لیا۔ خریداروں نے جب اپنا کوچ ہوتے دیکھا تو انہیں اپنے یاروں کے سپرد کر گئے۔ یعنی انگریزوں کا مال انڈین کانگرس کو مل گیا۔ (اس غیر منقولہ جائیداد کے وہی وارث بن سکتے تھے) چنانچہ انہوں نے اپنے مالکوں کے بعد دوسرے مالکوں سے بھی بے وفائی نہ کی۔ اولیاء اللہ کے مزارات پر جانا ان کے نزدیک شرک ٹھہرا مگر گاندھی کی مڑھی پر جا کر قرآن پڑھنے میں کوئی ہچکچاہٹ محسوس نہیں ہوئی (اور نہیں ہوتی) انہیں 'یارسول سلام علیک' کہتے ہوئے 'شرک' ہو جاتا ہے مگر ہندوؤں کے بندے ماترم' میں بڑا اسرور ملتا ہے انہیں گیارھویں شریف بلکہ میلاد شریف کے تبرک سے بھی شرک کے کیڑے کاٹنے لگتے ہیں مگر ہندوؤں کی دیوالی کی پُوری سے پوری طرح محظوظ ہوتے ہیں، کیا کہنے ان کے ایمان کے اور کیا کہنے ان کی توحید کے۔

حقیقت میں اگر ان کے فکر و عمل کا غیر جانبدارانہ جائزہ لیا جائے تو انہیں اس کائنات میں بغض ہے تو صرف ایک ذات پاک سے ہاں ہاں وہ ذات جو عالم انسانیت کی محسن اعظم ﷺ اور قیامت میں شفیع اعظم ﷺ۔ جو محبوب بدترین دشمنوں کے حق میں بھی رو رو کر دعا کرتا رہا اور ان کی ہدایت و بخشش کے درپے رہا۔ نجانے انہیں اس سے کیوں بغض ہے

وہ حبیب ﷺ پیارا تو عمر بھر کرے فیض و جود ہی سربسر   ارے تجھ کو کھائے تپ سقر ترے دل میں کس سے بخار ہے

ان کے ہاں 'نبی' کا تصور یہی ہے کہ اس کی صلاحیتیں اور طاقتیں بالکل عام انسان کی طرح ہوتی ہیں۔ ہاں نبی اور عام انسان میں فرق صرف یہ ہے کہ اول الذکر پر وحی نازل ہوتی تھی اور عام انسان پر بھی وحی نازل ہوتی۔ مگر افسوس انھیں اپنی بات پر بھی غور کرنے کی توفیق نہیں ہوئی۔ افسوس جسے یہ بالکل معمولی فرق سمجھتے ہیں، وہ تو بہت بڑا فرق ہے۔ وحی کا بوجھ اٹھانا بڑی قوت کا کام ہے، قرآن پاک فرماتا ہے

لو انز لنا هذاالقران على جبل لر ء يته خا شعا متصدعا من خشية الله . (الحشر۔۲۱)

ترجمہ: اگر ہم یہ قرآن کسی پہاڑ پر اتارتے تو تو ضرور اسے دیکھتا جھکا ہوا پاش پاش ہوتا اللہ کے خوف سے (کنزالایمان)

جس بوجھ کو پہاڑ اپنی پوری مضبوطی و صلابت کے باوجود نہ اٹھا سکیں کیا اس کا اٹھانا آسان ہوگا اور کیا اسے اٹھانے والا عام انسان ہوگا افسوس بغض نے ان کے دل و دماغ کو اندھا کر دیا۔ ورنہ سمجھنے کے لئے یہ کوئی مشکل بات نہیں تھی۔ مجھ سے ضلع بہاولپور کے ایک دانشمند سے اسی قسم کی بات چیت ہوئی تو اس نے فوراً تسلیم کر لیا (کیونکہ ابھی وہ پکا وہابی نہیں ہوا تھا) اس موضوع پر اور بہت کچھ کہا جا سکتا ہے مگر میں تو اس وقت ایک خط پر تبصرہ کر رہا ہوں۔ بات یہ ہو رہی تھی کہ حضور ﷺ کے ساتھ بغض رکھنے والے منافقوں نے اولیاء کرام کے مزارات پر جانے ہی سے نہیں روکا، انھیں خود حضور پرنور ﷺ کے مزار پر انوار سے بھی کوئی عقیدت نہیں۔ عام مشاہدہ ہے کہ مواجہہ شریف میں کھڑے ہوتے ہیں تو ان کا روئے سیاہ رخ کعبہ شریف کی طرف اور پشت خار پشت روضۂ رسول امین سیدنا رحمۃ للعلمین ﷺ کی طرف ہوتی ہے اور اسے یہ 'توحید' کا تقاضا سمجھتے تھے۔

سچ فرمایا تھا حافظ مظہر الدین علیہ الرحمہ نے

ایسی توحید تو شیطان بنا دیتی ہے !! دیکھ سرکار ﷺ کا انکار نہ ہونے پائے

حیات النبی ﷺ: بہرحال بغض و عناد کے ان اندھے بندوں کو حضور پرنور ﷺ کے ساتھ سخت ترین بغض ہے۔ انھیں حیات النبی ﷺ سے بھی انکار ہے۔ انھیں صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے لے کر آج تک کی تاریخ سے کوئی غرض نہیں کہ کیسے کیسے اکابر ملت اپنے اپنے زمانے میں حاضر دربار ہوتے رہے، رحمۃ للعلمین ﷺ کی بارگاہ رسالت پناہ میں فریاد کرتے رہے اور داد پاتے رہے۔ ایک دو بات کی بات نہیں، دس بیس بھی نہیں، سینکڑوں ہزاروں بھی نہیں، لاکھوں کروڑوں نے حاضری دی بگڑے کام بنتے رہے، جھولیاں بھرتی رہیں، گوہر مراد ملتے رہے۔ یہ ناپاک عقیدہ کہ حضور ﷺ کچھ نہیں دیتے۔ کس نے دیا۔ کسی صحابی نے، کسی تابعی نے، کسی امام نے کسی مجتہد نے کسی فقیہہ نے، کسی مجدد نے، کسی غوث نے جب ساری امت کا عقیدہ بھی یہی، عمل بھی یہی اور تجربہ بھی یہی، تو کسی ایک کونے سے کوئی ایک کتا اس کے خلاف بھونکتا ہے تو بھونکتا رہے۔ کیا امت اپنے نبی کا در فیض بار چھوڑ دے گی، کیا غلام اپنے آقا کو پکارنے سے رک جائیں گے، کیا محتاج اپنے داتا کو بھول جائیں گے، کیسے ممکن ہے۔

تمہیں تو اس نبی اول و آخر و خاتم و اعظم ﷺ کی زندگی میں شک ہے جو اصل حیات ہے اور جان حیات ہے بلکہ اصل ہر کمال ہے اور جان ہر کمال ہے۔ اور اس جان حیات ﷺ نے تو اعلان فرمایا ہے کہ ہر نبی زندہ ہے

ا. ان اللہ حرم علی الارض ان تا کل اجساد الا نبیاء فنبی اللہ حی یرزق

ترجمہ: یعنی اللہ تعالیٰ نے زمین پر حرام کر دیا ہے کہ نبیوں کے جسموں کو کھائے اللہ کا نبی زندہ رہتا ہے اسے رزق دیا جاتا ہے (ابن ماجہ، ابوداؤد)

۲. الا نبیاء احیاء فی قبو رھم یصلون (خصائص کبریٰ)

ترجمہ: انبیاء اپنی قبروں میں زندہ ہیں اور نمازیں پڑھتے ہیں۔

ہاں ہاں تمھیں اس نبی مکرم رسول معظم ﷺ کی زبان پر یقین نہیں جسے ابوجہل اور ابولہب بھی 'الصادق' اور 'الامین' کہا کرتے تھے۔ تمہیں سمجھانا فضول بلکہ تم سے بات کرنا بھی فضول۔ تم اس کی نسل سے ہو جس نے سجدے کا حکم سن کر انکار کر دیا تھا۔

اور پھر اللہ پر اور اللہ کی کتاب پر ایمان کا دعویٰ کرتے ہوئے اگر تمہیں حیات شہدا سے انکار کی کھلے بندوں جرأت نہیں تو فرمایئے 'شہید' کسے کہتے ہیں۔ شہید وہی ہے نا جو دین کی صداقت اور نبی ﷺ کی ناموس پر قربان ہوا۔ کتنا عجب ہے جو دین کی عظمت کے لئے قربان ہوا وہ زندہ جاوید اور جس کا دین ہے جو دین کا بانی ہے شارع ہے' والی ہے اصل دین ہے وہ مردہ معاذ اللہ کیسی جہالت وسفاہت ہے، کیسی شقاوت وقساوت ہے، کیسی بغاوت وعبادت ہے۔

اور اگر پھر بھی تمہیں حیات النبی سے انکار ہے تو سنو حضور پرنور ﷺ کا وصال بھی شہادت سے ہوا یعنی وہ زہر جو خیبر میں ملاحظہ فرمایا تھا، اس وقت دشمنوں کی خواہشات کے علی الرغم ہونا معجزہ تھا مگر اس کا اثر بالکل زائل نہ ہوا تھا۔ چنانچہ دنیا میں حضور انور ﷺ کا آخری دن تھا جب فرمایا

یاعائشہ ماازال اجد الم الطعام الذی اکلت بخیبر وھذا او ان وجد ت انقطاع البھری من ذلک السم

ترجمہ: اے عائشہ خیبر کے روز جو زہریلا کھانا مجھے کھلایا گیا تھا، اس کا درد میں ہمیشہ محسوس کرتا رہا اور اس وقت اس زہر سے مری شہ رگ کٹ رہی ہے۔

ظاہر ہے حضور پرنور ﷺ نے شرف شہادت کو مشرف فرما کر دنیا سے کوچ فرمایا اور ظاہر ہے شہید کی زندگی پر قرآنی نص ناطق ہے۔

نماز کیا کہتی ہے: آیئے اب نماز کی طرف یہ ایک دائمی شہادت ہے حضور پرنور ﷺ کی حیات پر بھی اور سماعت بلکہ حاضر و ناظر ہونے پر بھی۔ کون نہیں جانتا تشہد نماز میں واجب ہے اور خود حضور ﷺ نے اسے سکھایا ہے۔ اس میں حمد ربانی کے بعد

السلام علیک ایھا النبی ورحمۃ اللہ وبرکاتہ (بخاری ومسلم)

سلامتی ہو تم پر اے نبی ﷺ اور رحمت اللہ کی اور برکتیں اس کی۔

میں نے اسے ترجمہ سمیت مشہور غیر مقلد مولانا حکیم محمد صادق سیالکوٹی کی کتاب صلوۃ الرسول سے من وعن نقل کیا ہے۔ جس سے معلوم ہوا کہ تا حال اہل حدیث حضرات بھی جمہور امت کی طرح التحیات پڑھتے ہیں۔ خیال فرمایئے اگر حضور ﷺ معاذ اللہ زندہ نہیں (یا حاضر ناظر نہیں) تو 'اے نبی' کسے کہا جا رہا ہے اور کیوں کہا جا رہا ہے۔ ہم تو بلا شبہ حضور ﷺ کو زندہ بھی مانتے ہیں اور حاضر و ناظر بھی، آپ اپنا فیصلہ کریں۔ کیسی ڈھٹائی ہے نماز سے باہر 'اے نبی' کہہ دیں تو ناجائز اور نماز کے اندر کہیں تو جائز بلکہ واجب۔

از راہ کرم اپنے عقائد پر نظر ثانی کیجئے۔ یہ عبادت جو نماز میں پڑھنی ضروری ہے خود رسول خدا ﷺ کی ارشاد فرمودہ ہے اور مشرق و مغرب کے مسلمان ہر کہیں پڑھتے ہیں اور چودہ صدیوں سے پڑھتے چلے آئے ہیں حتیٰ کہ اہل حدیث کہلوانے والے بھی اسی پر عامل ہیں، پھر حضور پر نور ﷺ کی حیات طیبہ کے اس اجماعی عقیدے کے خلاف یا حاضر و ناظر ہونے کے خلاف زہر افشانی شیطینت نہیں تو کیا ہے۔ آیئے آخر میں علامہ غزالی قدس سرہ العالی جن پر علم و عمل، زہد و تقویٰ اور عشق و مستی کو ناز ہے کا فیصلہ سن لیں۔ آپ فرماتے ہیں

واحضر فی قلبک النبی ﷺ و شخصه الکریم فقل السلام علیک ایها النبی و حمة الله بر کا ته

ترجمہ: پہلے اپنے دل میں نبی کریم ﷺ اور آپ کی شخصیت کریمہ کو حاضر جان لے پھر کہہ السلام علیک ایھا النبی رحمتہ اللہ و برکاتہ۔

کلمہ طیبہ: آیئے اب آخر میں سب کو کلمہ طیبہ کی طرف بلاتا ہوں، یہی وہ مقدس الفاظ ہیں جنہیں دل سے مان کر اور زبان سے ادا کر کے کافر مسلمان ہوتا ہے یعنی

لا اله الا الله محمد رسول الله

ترجمہ: اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں محمد ﷺ اللہ کے رسول ہیں توحید کی گواہی تو یہ کہ اللہ کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں۔

اور رسالت کی گواہی یہ کہ محمد اللہ کے رسول ہیں۔ فرمایئے 'ہیں' کہہ کر ان کی حیات کا اقرار کر رہا ہے یا نہیں۔ گویا کافر ہونے کے لئے رسالت کے بارے میں جس بات کا اقرار کرتا ہے وہ حیات النبی کا عقیدہ بھی ہے یہ جو کہا جاتا ہے کافر ایک بار کلمہ پڑھتا ہے تو وہ مسلمان ہو جاتا ہے۔ منافق ہزار لاکھ بار بھی پڑھے تو نہیں ہوتا، اس کی وجہ کیا ہے، کافر نے اگرچہ ایک بار پڑھا مگر دل سے پڑھا۔ منافق نے ہزار لاکھ بار بھی پڑھا تو محض زبان سے پڑھا اور مصلحتاً پڑھا۔ بقول اقبال

ے خرد نے کہہ بھی دیا لا الہ تو کیا حاصل ‎ ‎ ‎ دل و نگاہ مسلماں نہیں تو کچھ بھی نہیں

اذان: دیکھا آپ نے نماز کہہ رہی ہے حضور پر نور ﷺ ہیں

کلمہ کہہ رہا ہے حضور پر نور ﷺ زندہ ہیں آیئے اب اذان کی طرف موذن کہتا ہے

اشهدان محمد ارسول الله

میں گواہی دیتا ہوں کہ محمد (ﷺ) اللہ کے رسول ہیں۔

کوسن کر نمازی مسجد کی طرف جاتا ہے۔ فرمایئے جس عقیدے کی تائید ہر کلمہ خواں کر رہا ہے ہر نمازی کر رہا ہے اور ہر موذن کر رہا ہے (یعنی موذن دنیا کے گوشے گوشے میں رسالت کی گواہی ہی نہیں دے رہا ہے یہ بھی اعلان کر رہا ہے محمد ﷺ ہیں کتنا غضب ہے وہ اعلان جو بحر و بر میں، دشت و جبل میں، وادیٔ و کہسار میں گونج رہا ہے، وہابی کے دل تک نہیں پہنچتا اگرچہ خود نماز پڑھتا ہے، اذان دیتا ہے اور کلمے کا شغل بھی فرماتا ہے۔

☆......☆......☆

توحید اور محبوبانِ خدا کے کمالات

قسط: 54

پروفیسر محمد حسین آسی

رجب المرجب کا مقدس مہینہ آنے والا ہے۔ اس کا اہم ترین واقعہ حضور پرنور شافع یوم النشور ﷺ کا سفر معراج ہے۔ انبیاء کرام علیہم السلام کو بھی ان کی اپنی اپنی شان وعظمت کے مطابق معراجیں عطا کی گئیں مگر سید الانبیاء والمرسلین علیہم الصلوٰۃ والتسلیم کی معراج بھی ان سب معراجوں کی سردار ہے۔ چونکہ یہ اللہ کے حبیب کریم وجلیل ﷺ کی بے مثل سیر اور یکتائی کی آئینہ دار ہے لہذا حضور پرنور ﷺ کے سچے غلام اور عاشق صدرِ اسلام ہی سے اس کا ذکر بڑے اہتمام سے کرتے آئے ہیں۔ حدیث یا سیرت کی کونسی کتاب ہے جس میں ذکرِ معراج نہ ہو اور ملت کی چہاردہ صد تاریخ میں کونسا عارف وسالک یا خطیب وواعظ ہے جس نے مزے لے کر اسے بیان نہ کیا ہو۔ ہاں ہاں قصیدہ نگاروں نے بڑے خوبصورت معراجیہ قصائد قلمبند کئے اور غزل گوسخنوروں نے غزلیات تک میں اسے فراموش نہ کیا۔

معراجِ ذکر: بالیقین ذکر معراج بھی معراجِ ذکر ہے۔ یوں سمجھئے سیاح لامکاں حضور سرورِ کون ومکان ﷺ کی معراج کا ذکر کرنے والے کا فکر بھی بلند پرواز ہو جاتا ہے۔ اور مذکور کی برکت سے وہ بھی آسمانوں کی سیر کرنے لگ جاتا ہے۔ حضرت اقبال علیہ الرحمہ جن کی عمر بھر کی تگ ودو کا مقصود قوم کو عشقِ حبیب ﷺ سے سرشار اور ذکرِ حبیب ﷺ کے لئے تیار کرنا تھا، وہ بار بار بھی ذکرِ معراج کریں تو حیرت کی بات نہیں، حیرت تو اس وقت ہوتی ہے جب غالب جیسا شرابی شاعر غزل لکھتے لکھتے ~~~ یوں کہہ جاتا ہے

اس کی امت میں ہوں میں، میرے رہیں کیوں کام بند
واسطے جس شہ کے غالبؔ گنبد بے در کھلا

اور خود اقبال کا فرمانا

تو معنئِ والنجم نہ سمجھا تو عجب کیا
ہے تیرا مد وجزر ابھی چاند کا محتاج

فارسی شعراء کے نکتہ آفرینوں کی طرف آیئے، حضرت شیخ سعدی علیہ الرحمہ کے نامِ نامی سے کون واقف نہیں۔ 'بوستاں' میں نعت شریف کے دوران معراج مقدس کا ذکر کرتے ہوئے سدرۃ المنتہیٰ کے مقام پر جبریل علیہ السلام کے ساتھ محبوب خدا علیہ التحیۃ والثناء کا مکالمہ یوں پیش کرتے ہیں۔

بدو گفت سالارِ بیت الحرام
کہ اے حاملِ وحی برتر خرام

چو در دوستی مخلصم یافتی
عنانم ز صحبت چرا تافتی

بگفتا فراتر مجالم نماند
بماندم کہ نیروئے بالم نماند

اگر یکسر موئے برتر پرم فروغ تجلی بسوزد پرم

ترجمہ: بیت الحرام کے سید وسالار حضور پرنور ﷺ نے حضرت جبریل علیہ السلام سے فرمایا کہ اے وحی خداوندی کو اٹھانے والے آگے بھی پرواز کیجئے۔ جب آپ نے مجھے دوستی میں مخلص دیکھا ہے تو صحبت ترک کرنے کا کیا معنیٰ؟ حضرت جبریل علیہ السلام نے عرض کی حضور! (صلے اللہ علیک وسلم) آگے جانے کی مجال نہیں کیونکہ میرے بازو میں مزید اڑنے کی طاقت نہیں۔ اگر بال کے سرے کے برابر بھی آگے اڑوں تو جلووں کی چمک دمک میرے بازو جلا کے رکھ دے گی۔

عاشقانِ رسول ﷺ میں حضرت مولانا جامی رحمۃ اللہ علیہ کا اسمِ گرامی بھی بہت نمایاں ہے۔ آپ نے بے شمار نعتیں لکھی ہیں۔ ایک مشہور نعت شریف کا مقطع ہے

زِ سرِ سینہ اش جامی اَلَمْ نَشْرَحْ لَکَ برخواں

زمعراجش چہ می پرسی کہ سُبْحٰنَ الَّذِیْ اَسْریٰ

اسی دور میں ہندوستان میں حضرت جمالی کشورِ نعت کے مایۂ ناز فرمانروا تھے۔ انھوں نے نعت شریف میں معراج شریف کے حوالے سے ایک ایسا شعر لکھا جس کی تازگی کبھی ختم نہیں ہوسکتی۔ شعر یہ ہے

موسیٰ زہوش رفت بیک پرتو صفات تو عین ذات بنگری و در تبسمی !!

کہتے ہیں کہ خود سرور کائنات ﷺ نے اس شعر کی نسبت خوشنودی وقبولیت کا اظہار فرمایا۔

'عربی نعت' میں جو درخشاں وتاباں مقام حضرت امام بوصیری قدس سرہ کو حاصل ہے، کسی بھی عاشق رسول (ﷺ) سے مخفی نہیں۔ آپ کا قصیدہ بردہ جب بارگاہ رسالتمآب ﷺ سے شرف قبول حاصل کر چکا تو پھر اس کے قبول عام میں کیا دیر ہوتی چنانچہ بڑی سرعت سے تمام عالم اسلام میں اس کی اشاعت ہوئی معراج شریف کے بارے میں چند اشعار آپ بھی دیکھ لیجیے۔

سَرَیْتَ مِنْ حَرَمٍ لَیْلاً اِلٰی حَرَمٍ کَمَا سَرَی الْبَدْرُ فِیْ دَاجٍ مِّنَ الظُّلَمِ

وَبِتَّ تَرْقٰی اِلٰی اَنْ نِّلْتَ مَنْزِلَۃً مِنْ قَابَ قَوْسَیْنِ لَمْ تُدْرَکْ وَلَمْ تُرَمِ

وَ قَدَّمَتْکَ جَمِیْعُ الْاَنْبِیَاءِ بِہَا وَالرُّسُلِ تَقْدِیْمَ مَخْدُوْمٍ عَلٰی خَدَمٖ

وَجَلَّ مِقْدَارُ مَا اُوْتِیْتَ مِنْ رُّتَبٍ وَعَزَّ اِدْرَاکُ مَا اُوْلِیْتَ مِنْ نِعَمٖ

بُشْرٰی لَنَا مَعْشَرَ الْاِسْلَامِ اِنَّ لَنَا مِنَ الْعِنَایَۃِ رُکْناً غَیْرَ مُنْھَدِمٖ

ترجمہ: حضور صلی اللہ علیک وسلم! آپ رات کو حرم مکہ سے حرم مسجد اقصیٰ تک اس طرح تشریف لے گئے جیسے چاند رات کو تاریکی میں چلتا ہے۔ (اس وقت وہ نہایت خوبصورت بھی لگتا ہے اور ظلمتوں کو دور بھی کرتا ہے)

۲۔ اور آپ رات ترقی کرتے کرتے منزل قاب قوسین پر پہنچ گئے۔ یہ منزل ایسی ہے جو نہ قبل ازیں حاصل کی گئی بلکہ طلب بھی نہیں کی گئی۔ (یعنی اس سے پہلے اس منزل قرب پر کوئی پہنچا نہ کسی نے پہنچنے کی تمنا کی)

۳۔ یارسول اللہ ﷺ! تمام انبیاء ومرسلین علیہم السلام نے وہاں (مسجد اقصیٰ میں) حضور ﷺ کو اپنا امام وپیشوا بنایا جس طرح آقا اپنے خادموں کا مقتدا ہوتا ہے۔

۴۔ جن مدارج عالیہ پر آپ متمکن کیے گئے ان کی قدر ومنزلت بہت بڑی ہے اور جو نعمتیں آپ کو دی گئیں، ان کا حصول کسی غیر کے لئے بہت مشکل ہے۔

۵۔ مسلمانو! یہ مژدہ خاص ہمارے لئے ہے کہ ہمارے لئے برکت ورحمت کا ایک ستون ہے جو گرنے والا ہی نہیں (بلکہ مضبوط ہے اور ہمیشہ کے لئے ہمارا سہارا ہے)

عظمت میں برکت: اس آخری شعر پر غور فرمایئے ہمارے نبی اکرم واعظم ﷺ کو جو رفعت وعظمت اور جلالت ووجاہت ملی ہے، اس سب کا فائدہ ہم غلامانِ رسول ﷺ کو ہے۔ سوچئے اگر کسی شخص کا درجہ بڑھ جائے تو فرمایئے اس کے اہل خانہ اور اعزہ واقارب کو فائدہ ہوگا یا نہیں۔ نہیں بلکہ ہر نوکر چاکر بلکہ ہر متعلق وآشنا کو بھی فائدہ ہوگا۔ ہاں دشمن کو خطرہ ہوسکتا ہے اس لئے اپنی سوچ کے مطابق وہ یہی خیال کرے گا کہ اس کی مشکلات میں اضافہ ہوگیا۔

یہاں تو جس کے درجے بڑھتے جارہے ہیں اور ایک ایک آن میں جسے بہت اونچا لیجایا جارہا ہے، وہ رحمۃ للعلمین ہے۔ پھر اس کی برکت کا یہ عالم ہے کہ اپنے تو اپنے اس کے ہوتے ہوئے بدترین دشمن کو بھی عذاب نہیں دیا جاتا

وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُعَذِّبَهُمْ وَاَنْتَ فِيهِمْ (الانفال۔۳۳)

ترجمہ: اور اللہ کا کام نہیں کہ ان پر عذاب کرے جب تک تم اے محبوب ان میں تشریف فرما ہو۔

ایسے 'رحمۃ للعلمین' کا مزید اوج وعروج پانا کتنا بابرکت اور امت کے حق میں مثمر ومفید ہے۔ اپنے آقا ومولا علیہ التحیۃ والثناء کی مزید ترقیِ درجات ومراتب کی یہ خوشی فطرت ایمان کا اولین تقاضا ہے۔ یہی وجہ ہے امت جہاں میلاد شریف کی عید مناتی آئی ہے، معراج شریف کی محفلیں بھی سجاتی آئی ہے۔ ہاں ہاں اپنے آقا ومولا علیہ التحیۃ والثنا کے خداداد فضائل ومناقب سے خوش ہونا اہل ایمان کو خود قرآن پاک نے سکھایا ہے، چنانچہ فرماتا ہے

يٰٓاَيُّهَا النَّبِيُّ اِنَّآ اَرْسَلْنٰكَ شَاهِدًا وَّمُبَشِّرًا وَّنَذِيرًاo وَّدَاعِيًا اِلَى اللّٰهِ بِاِذْنِهٖ وَسِرَاجًا مُّنِيرًاo وَبَشِّرِ الْمُؤْمِنِينَ بِاَنَّ لَهُمْ مِّنَ اللّٰهِ فَضْلًا كَبِيرًاo (الاحزاب۳۳)

ترجمہ: اے غیب کی خبریں بتانے والے (نبی) بیشک ہم نے تمھیں بھیجا حاضر وناظر، اور خوشخبری دیتا اور ڈر سناتا اور اللہ کی طرف اس کے حکم سے بلاتا اور چمکا دینے والا آفتاب، اور ایمان والوں کو خوشخبری دو، کہ ان کے لیے اللہ کا بڑا فضل ہے۔

فی الواقع جوں جوں نبی کریم رؤف رحیم علیہ الصلوۃ والتسلیم کی شان وعظمت بڑھتی جائے گی، اہل ایمان کے لئے اللہ تعالی کی طرف سے 'فضل کبیر' کی بشارات میں اضافہ ہوتا جائے گا اور ان فضائل ومناقب سے جس کو چڑ ہوگی یہ اس کے کفر ونفاق کی دلیل ہوگی اور اس کے ناری وجہنمی ہونے کا مسئلہ واضح ہوتا جائے گا۔

موجودہ افراتفری اور نفسانفسی کے دور میں انسان کو ٹھنڈے دل سے مذہب کو پرکھنے کی فرصت نہیں۔ آج ہماری ساری تگ ودو 'معاشیات' میں گم ہو کے رہ گئی ہے ورنہ کسی بھی آدمی کے بارے میں ایمان اور کفر ونفاق کا فیصلہ زیادہ مشکل نہیں رہا۔ جس کو دیکھو کہ حضور پرنور ﷺ کے فضائل ومحاسن کر خوش ہوتا ہے، اسے مومن سمجھو اور قرآن کی زبان میں فضل کبیر کی بشارت دو۔ یونہی جسے دیکھو کہ حضور پرنور ﷺ کے فضائل ومحاسن کر معاذ اللہ بیزار سا ہو جاتا ہے، اسے منافق جانو اور اللہ کے 'قہر کبیر' سے بچانے کی تدبیر کرو یا کم از کم اس سے بچ جاؤ کہ کہیں تمھیں کو نہ لے ڈوبے۔ قرآن پاک نے ایسے ہی بدبختوں کے بارے میں فرمایا ہے

فَلَا تَقْعُدْ بَعْدَ الذِّكْرٰى مَعَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِينَo (الانعام۔۶۸)

ترجمہ: تو یاد آنے پر ظالموں کے پاس نہ بیٹھو۔

اور حدیث پاک میں آیا

فَاِيَّاكُمْ وَاِيَّاهُمْ لَا يُضِلُّونَكُمْ وَلَا يَفْتِنُونَكُمْ (مسلم)

ترجمہ: سوتم ان سے دور رہو کہ تمہیں کہیں گمراہ نہ کردیں اور فتنے میں نہ ڈال دیں۔

بہر حال بات تو ہو رہی تھی واقعہ معراج اہل ایمان کے لئے اتنا اہم ہے کہ چودہ سو سال سے اس کا ذکر متواتر ہو رہا ہے۔ شاعر نے شعر میں اور ناثر نے نثر میں ذکر معراج کر کے خود سکون لیا اور دوسروں کو سکون دیا۔ اسی ضمن میں امام بوصیری قدس سرہ کے چند اشعار کا حوالہ دیا تھا کہ آخری شعر نے چونکا کے رکھ دیا۔ امام صاحب نے جو کچھ فرمایا معلوم ہوتا ہے قرآن کی روشنی میں فرمایا ہے۔ (اور بات کرنے والا اگر کتاب وسنت کی روشنی میں بات نہ کرے تو اس میں کیا وزن رہ جاتا ہے) مگر ذکرِ معراج تو اس قصیدے سے بھی بہت پہلے شروع ہو گیا تھا۔ چنانچہ شاعرِ دربارِ رسالت حضرت سیدنا حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ بارگاہ رسالت علی صاحبہا الصلوۃ والسلام ایک طویل نعت کے آخر میں عرض کرتے ہیں۔

وَاَنْتَ مُقَدَّمٌ دُنْيَا وَ اُخْرىٰ ۔۔۔ وَصَلّٰى خَلْفَ ظَهْرِكَ اَنْبِيَاءُ
فَسُبْحٰنَ الَّذِيْ اَسْرَاكَ لَيْلاً ۔۔۔ وَفِي الْمِعْرَاجِ كَانَ لَكَ ارْتِقَاءُ
وَنِلْتَ مِنَ السَّعَادَةِ مُنْتَهَاهَا ۔۔۔ عُلُوًّا دُوْنَ رِفْعَتِهِ الْعُلَاءُ
وَاَدْنَاكَ الْاِلٰهُ كَقَابَ قَوْسٍ ۔۔۔ مَعَ التَّنْزِيْهِ وَ انْكَشَفَ الْغِطَاءُ
خُلِقْتَ مُبَرَّاً مِّنْ كُلِّ عَيْبٍ ۔۔۔ كَاَنَّكَ قَدْ خُلِقْتَ كَمَا تَشَاءُ
وَاَجْمَلُ مِنْكَ لَمْ تَرَقَطُّ عَيْنٌ ۔۔۔ وَاَكْمَلُ مِنْكَ لَمْ تَلِدِ النِّسَاءُ
عَلَيْكَ صَلٰوةُ رَبِّيْ مَا تَوَالَتْ ۔۔۔ دُهُوْراً اَوْ مَلاً صُبْحاً مَسَاءُ

ترجمہ:
۱۔ اور آپ دنیا وآخرت کے پیشوا ہیں اور آپ کے پیچھے تمام انبیاء نے نماز پڑھی ہے۔
۲۔ پاک ہے وہ ذات جس نے آپ کو رات کو سیر کرائی اور آپ کے لئے شب معراج میں بلندی عظیم تھی۔
۳۔ اور اپنی انتہائے سعادتمندی کے باعث ایسی بلندی کو پہنچے کہ تمام رفعتیں اس کے مقابل پست ہیں۔
۴۔ اور قریب کیا آپ کو اللہ پاک نے کمان کے فاصلہ کے برابر پاکی کے وصف کے ساتھ اور کھل گیا پردہ۔
۵۔ اے اللہ کے محبوب آپ تمام عیبوں سے پاک پیدا کئے گئے ہو گویا آپ پیدا کئے گئے ہو جیسا آپ چاہتے تھے۔
۶۔ اور ہرگز کسی آنکھ نے آپ سے بزرگ تر نہیں دیکھا اور عورتوں نے آپ سے کامل تر نہیں جنا۔
۷۔ آپ پر خدائے پاک کی رحمت ہو، جیو جب تک کہ زمانہ رہے یا جب تک صبح اور شام ہوتی رہے

(ترجمہ از جناب سید عابد میاں یکے از علماءِ دیوبند)

الغرض! اسلام کے ہر دور میں جس کسی کو بھی حضور پر نور ﷺ کی نعت پاک لکھنے کا شرف ملا، اس نے ذکر معراج کو فراموش نہیں کیا۔ وجہ یہ ہے کہ نعت ہے عظمت مصطفےٰ ﷺ کا بیان اور ہر واقعہ معراج کا ہر پہلو اول سے آخر تک بالکل منفرد انداز میں حضور انور ﷺ کی یکتائی ہی کا بیان ہے۔

قرآن کا انداز: حقیقت یہ ہے کہ حضور پر نور ﷺ کی معراج مقدسہ کی اہمیت بھی ملت اسلامیہ نے اولاً قرآن پاک ہی سے سیکھی ہے۔ اللہ کی اس آخری ودائمی کتاب میں اس بے مثال واقعے کا ذکر دو بار آیا ہے' ایک بار سورۃ بنی اسرائیل اور پندرھویں پارے کی پہلی آیت اور دوسری بار ستائیسویں پارے کی سورہ والنجم کے پہلے حصے میں۔۔۔ یہاں فی الحال سورہ بنی اسرائیل کی پہلی آیت درج کی جاتی ہے

سُبْحٰنَ الَّذِيْ اَسْرٰى بِعَبْدِهٖ لَيْلاً مِّنَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ اِلَى الْمَسْجِدِ الْاَقْصَا الَّذِيْ بٰرَكْنَا حَوْلَهٗ لِنُرِيَهٗ مِنْ اٰيٰتِنَا ؕ اِنَّهٗ هُوَ السَّمِيْعُ الْبَصِيْرُ ۝

ترجمہ: پاکی ہے اسے جو اپنے بندے کو راتوں رات لے گیا مسجد حرام سے مسجد اقصیٰ تک جس کے گرداگرد ہم نے برکت رکھی کہ ہم اسے اپنی عظیم نشانیاں دکھائیں بے شک وہ سنتا دیکھتا ہے۔

آیت کا آغاز لفظ 'سبحٰن' سے کرنا اس بات کی دلیل ہے کہ واقعہ بہت حیران کن یا عقل شکن ہے۔ علت و معلول (Cause and effect) کے سارے تانے بانے ادھر ہی رہ جاتے ہیں' اللہ کا حبیب ﷺ فلسفہ اور سائنس کی ساری حد بندیوں سے وراء الوراء ہے۔ حقیقت یہی ہے کہ اس محبوب و مطلوب ﷺ کی شان و عظمت کو کیمسٹری اور فزکس کے قوانین سے سمجھنے کی کوشش کرنا ایمان کے نقطہ نظر سے کم ظرفی، کور ذوقی اور بے ادبی ہے۔ جو فلسفہ اور سائنس تا حال جنات کے وجود کو نہیں دریافت کر سکا وہ فرشتوں کی لطافت کو کیا سمجھ سکتا ہے۔ جنت اور دوزخ کے حقائق اس پر کیوں کر واشگاف ہو سکتے ہیں جو ہنوز 'چند و چگون' کی ظلمات میں ٹامک ٹوئیاں مار رہا ہے اسے صبح یقین کے اجالوں کی کیا خبر؟ عالم غیب (یعنی غیب کا جہاں) کے ان عنوانات کا تعارف وہی کرا سکتا ہے جو عالم غیب (یعنی غیب جاننے والا) ہو۔ ہاں یہ مشکل ترین کام انبیاء کرام علیہم السلام کا ہے کہ اسرار غیب کھولیں اور ایسے لوگ تیار کریں جو یومنون بالغیب (یعنی وہ غیب پر ایمان رکھتے ہوں) کے مصداق ہوں۔ بہر حال سائنس اور فلسفہ اس راہ پر چلنے سے قاصر ہیں ہاں حضرت اقبال جیسا عاشق رسول ﷺ جو علوم جدیدہ کے مراحل سے گزرنے کے بعد بھی ایمان کا لذت آشنا ہے تو الگ بات ہے۔ یہی حقیقت یہی حقیقت ہے۔ جس کا اظہار انہوں نے کرتے ہوئے فرمایا ہے

خیرہ نہ کر سکا مجھے جلوۂ دانشِ فرنگ
سرمہ ہے میری آنکھ کا خاکِ مدینہ و نجف

سائنس اور فلسفے کی افادیت سے کسی کو انکار نہیں مگر ان کی حدود کو سمجھنا بھی ضروری ہے۔ یہ علوم کالجوں، یونیورسٹیوں سے ملتے ہیں اور پروفیسر صاحبان کے ذریعے سے، مگر ان کی حدود کی سمجھ آتی ہے دین سے' جو اللہ والوں کے ہاں سے میسر آتا ہے۔ بقول اکبر الہ آبادی

نہ کتابوں سے نہ کالج کے ہے در سے پیدا
دین ہوتا ہے بزرگوں کی نظر سے پیدا

بہر حال سُبْحٰن کہہ کر یہ حقیقت کھولی جا رہی ہے کہ اگر کوئی واقعہ معراج سن پڑھ کر اسے ناممکن سمجھتا ہے تو اسے جان لینا چاہئے کہ جس ذات پاک نے اپنے پیارے بندے کو معراج سے مشرف فرمایا ہے' اس کے لئے کوئی چیز بھی ناممکن نہیں ہے۔ وہ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ یعنی قادر مطلق ہے پھر یوں سوچئے اگر وہ ایسی معراج نہیں کرا سکتا تو یہ نقص ہوا اور اس کی قدرت کے لئے عیب۔ جب وہ عیب سے پاک ہے تو اس کی قدرت میں نقص و عیب کیونکر ہو سکتا ہے۔ لہذا واقعہ معراج جس میں اللہ نے اپنے بے مثال محبوب بندے کو بیداری میں جسم و روح کے ساتھ عالم بالا کی سیر کرائی ہے، یقیناً شک و شبہ سے بالاتر ہے۔

دیکھا آپ نے معراج کا وقوع خداوند کریم کے قادر مطلق ہونے کی دلیل اور خداوند کریم جل مجدہ کا قادر مطلق ہونا معراج کے وقوع کی دلیل۔ یہی وضاحت ہمارے اس مضمون کا اصل مقصود ہے کہ محبوبانِ خدا کے کمالات توحید کے دلائل ہیں اور یہ کمالات اسی قادر مطلق کے عطا فرمودہ ہیں' ان کے ذاتی نہیں۔ جو جتنا بلند مرتبہ بندہ ہے' اسے اتنا ہی بڑا مظہر قدرت بنایا جاتا ہے اور جس کو جتنا بڑا مظہر قدرت بنایا گیا ہے' وہ اتنا ہی بلند مرتبہ محبوب ہے۔ وہ لوگ جو اس کے معجزات و کمالات و کرامات پر یقین رکھتے ہیں' انہیں اللہ کی ذات و صفات پر اتنا ہی یقین زیادہ ہوتا ہے اور جو ان کا انکار کرتے ہیں' اپنے انکار کی شدت کے حساب سے وہ اتنا ہی توحید کے بارے میں مذبذب ہوتے ہیں یہ جو ہمارے ہاں ایسے مواقع پر بعض لوگ انکار کرتے ہوئے 'شرک' کا بہانہ گھڑ لیتے ہیں یہ محض اپنے ضعف ایمان کو چھپانے کی خوبصورت تدبیر ہے۔ ہاں ہاں جو توحید کی واضح دلیل ہو، اسے شرک قرار دینا معاذ اللہ ایک شیطانی چال کے سوا کچھ نہیں۔ مثلاً حضور غوث اعظم رضی اللہ عنہ نے بارہ سال کی ڈوبی ہوئی کشتی کی سواریوں کو زندہ کر دیا، تو کیسے زندہ کیا' کوئی نہیں کہتا کہ یہ ان کی اپنی طاقت تھی سب کے ذہن و زبان پر ایک ہی بات ہوتی ہے کہ انہیں اللہ جل شانہ نے اپنے سچے نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کی اتباع سے راضی ہو کر مردے زندہ کرنے کی طاقت بخشی تو کیا یہ اللہ کی قدرت کاملہ' عقیدہ توحید' صداقت اسلام' عظمت

رسول ﷺ اور برکت اتباع سنت کی دلیل نہیں۔ مگر کیا کیا کیجیے۔

دور حاضر کے بزرجمہروں نے جنھوں نے بالکل برعکس نتیجہ نکالا۔

خرد کا نام جنوں رکھ دیا جنوں کا نام خرد　　　جو چاہے آپ کا حسن کرشمہ ساز کرے

بہر حال اللہ نے آیت معراج کے آغاز میں سُبْحٰن فرما کر ہمارے حق میں فیصلہ دیا۔ دیکھیں اپنے رب کے فیصلے کے سامنے کون سر تسلیم کرتا ہے اور اپنے واہی تباہی مزعومات وخیالات سے باز آتا ہے۔

لطیف ترین: ہم نے اوپر عرض کیا ہے کہ سائنس وفلسفہ کے زور سے فرشتوں جیسی سراپا لطافت مخلوق کو سمجھ سکنا ممکن نہیں۔ پھر حق یہ ہے کہ معراج جس شخصیت مقدسہ کے 'سیر' کا نام ہے، وہ کائنات کی لطیف ترین حقیقت ہے۔ حور وفرشتہ تو ایک طرف، انبیاء ومرسلین علیہم السلام کی ارواح طیبات بھی ان کے جسم کی لطافت کو پانا تو ایک طرف اسے سمجھ بھی نہیں سکتیں۔ یہی وجہ ہے کہ وہاں کوئی فرشتہ یا کسی نبی علیہ السلام کی روح مقدسہ بھی نہیں پہنچ سکی جہاں حضور پرنور جسم اقدس سمیت تشریف لے گئے ہیں۔ ہاں یہ جسم پاک کائنات میں لطیف ترین ہے' اس سلسلے میں امام ربانی مجدد منور الف ثانی رضی اللہ عنہ کا ارشاد گرامی سنیے۔

چوں وجود آں سرور علیہ وعلی آلہ الصلوٰۃ والسلام در عالم ممکنات نباشد بلکہ فوق ایں عالم باشد ناچار اورا سایہ نبود۔ ونیز در عالم شہادت سایہ شخص از شخص لطیف تربست وچوں لطیف تر ازوے در عالم نباشد اورا سایہ چہ صورت وارد علیہ وعلی آلہ الصلوات والتسلیمات (دفتر سوم حصہ نہم مکتوب ۱۰۰)

ترجمہ: چونکہ آنحضرت ﷺ اس عالم ممکنات میں سے نہیں ہیں بلکہ اس سے بالاتر ہیں' ناچار آپ کا سایہ نہیں تھا۔ نیز عالم شہادت میں شخص کا سایہ شخص سے لطیف تر ہوتا ہے' چونکہ عالم میں آپ سے زیادہ لطیف کوئی چیز نہیں لہذا سایہ کیسے ممکن ہو علیہ وعلی آلہ الصلوات واکمل التحیات

اب لطیف ترین شخصیت کا قلیل ترین مدت میں طویل ترین سفر کرنا عقل کی حدود میں آسکتا ہو تو سفر غیر محدود اور عقل محدود کیوں کر ہو یہاں تو ایمان ہی کام آسکتا ہے، خدا کے قادر مطلق ہونے صاحب معراج کے لطیف ترین ہونے پر۔

عقل کچھ آستاں سے دور نہیں　　　اس کی قسمت میں پر حضور نہیں
علم میں بھی سرور ہے لیکن　　　یہ وہ جنت ہے جس میں حور نہیں
دل بینا بھی کر خدا سے طلب　　　آنکھ کا نور دل کا نور نہیں!

بیان معراج: بہر حال اب واقعہ معراج کی طرف رجوع کرتے ہیں۔ تفصیل کے ساتھ نہیں بلکہ یہاں صرف وہ روایات درج ہوں گی جن سے حضور پرنور، سید کل، ختم الرسل حضور احمد مجتبےٰ محمد مصطفےٰ علیہ التحیۃ والثناء کی عظمت یکتا واشگاف ہوتی ہے۔ حقیقت میں معراج اسی عظمت یکتا کو عالم آشکارا کرنے کے لئے کرائی گئی اور اس خصوصی انداز میں اسے پایہ تکمیل تک پہنچانے بلکہ مخصوص اسلوب میں بیان کرنے کا اصل مقصد یہی نظر آتا ہے

سب سے پہلے اس آیت کا آغاز سبحن سے کیا گیا۔ جیسا کہ کچھ ذکر اوپر آچکا، اس کا مطلب ومقصد بھی معراج اور صاحب معراج کی عظمتِ یکتا کا بیان تھا۔ پھر دیکھئے، اسریٰ (یعنی سیر کرائی) معراج شریف پر اعتراض کرنے والوں کو سمجھایا جا رہا ہے، محبوب نے جانے کا دعویٰ نہیں کیا بلکہ ہم نے لیجانے کا دعویٰ کیا لہذا منکرین شانِ مصطفےٰ خوب یاد رکھو تمہاری لڑائی واللیل کی زلفوں والے اس محبوب مکرم ﷺ سے نہیں بلکہ مجھ سے ہے۔ ہم نے الفاظ کی تنگ دامانی کے پیش نظر جانے یا لیجانے کی بات کی ہے، ورنہ اللہ نے 'اسریٰ' فرمایا گویا معراج محبوب کے سفر کا نہیں، سیر وتفریح کا حال ہے۔ سفر میں تھکن بھی ہوتی ہے اور دوسرے حادثات وغیرہ بھی ہو جاتے ہیں مگر یہاں تو رحمت ہی رحمت اور فرحت ہی فرحت ہے، اس کا سفر کی صعوبتوں

سے کیا واسطہ۔ یہاں تو گویا یہ مقصود تھا کہ اے محبوب ﷺ! مکہ وطائف کے باسی اگر تیری عظمت کے منکر ہیں تو یہ ان کا اپنا نقصان ہے۔ اوپر آیئے، فرشتوں کی فوج ظفر موج دیکھ جایئے جو آپ کے ایک اشارۂ ابرو پر سب کچھ کرنے کو تیار ہیں۔ دیکھئے یہ کس ذوق وشوق سے درود وسلام میں مگن رہ کر اپنی وفاداری کا ثبوت پیش کر رہے ہیں۔ ہاں ہاں یہ سب آپ کے گیت گانے والے ہیں۔ اِن اَن گنت معصوم قدسیوں میں ایک بھی درود وسلام کا منکر نہیں، پیارے جنت کے جو گلزار آپ کے غلاموں کیلئے اور جہنم کے جو شعلہ زار آپ کے دشمنوں کے لئے تیار کئے ہیں، دیکھ جایئے۔

خلیل وکلیم: ہاں اسریٰ میں ایک اور نکتہ بھی دامن دل کھینچ رہا ہے، وہ یہ کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے کچھ ایسے ہی موقع پر قرب چاہا تھا تو اس کا ذکر انھوں نے یوں کیا تھا۔

وَقَالَ اِنِّیْ ذَاهِبٌ اِلٰی رَبِّیْ سَیَهْدِیْنِ٥ (الصفت۔۹۹)

ترجمہ: اور کہا میں اپنے رب کی طرف جانے والا ہوں، اب وہ مجھے راہ دے گا۔

انی ذاھب (یعنی میں جانے والا ہوں) سے ظاہر ہوتا ہے کہ اپنے رب کی طرف جانے کا شوق حضرت ابراہیم علیہ السلام کو تھا۔ مگر اسریٰ (یعنی رب نے سیر کرائی) سے ظاہر ہوتا ہے کہ شوق بلانے والے کو تھا (قرآنی عبارت کے انداز سے یہی بات معلوم ہو رہی ہے ورنہ معاذ اللہ یہ کیونکر کہا جا سکتا ہے کہ حضور پرنور ﷺ کو ملاقات کا شوق نہیں تھا۔ ہاں جب اللہ اپنا شوق ملاقات ہی ظاہر فرمائے تو اس کے حبیب کریم علیہ الصلوۃ والتسلیم کی شان بیحد بڑھ جاتی ہے) روایات میں حضرت جبریل علیہ السلام نے بھی خدا کے شوق ملاقات کا اظہار فرمایا تھا، مثلاً

یَا مُحَمَّدُ اِنَّ رَبَّکَ یَشْتَاقُ اِلٰی لِقَائِکَ (اوکما قال)

ترجمہ: اے ذات ستودہ صفات بیشک تیرا رب تیری ملاقات کا مشتاق ہے

حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام کا سیھدین (اللہ مجھے عنقریب راہ دے گا) بھی قابل غور ہے خصوصاً اس وقت جب خدا نے خود نے اپنے حبیب علیہ الصلوۃ والسلام سے فرمایا وَیَهْدِیَکَ صِرَاطًا مُّسْتَقِیْمًا (تاکہ تمہیں سیدھی راہ دکھاوے) سوچا آپ نے ایک طرف آرزو کا اظہار ہے مگر تکمیل آرزو کا ذکر نہیں دوسری طرف آرزو مذکور نہیں مگر تکمیل آرزو کا مژدہ دیا جا رہا ہے کیوں نہ ہو وہ خلیل ہیں یہ حبیب ہیں۔ (علیہما الصلوۃ والسلام)

یہی حال موسیٰ علیہ السلام کے ان کی شان کے لائق معراج کا ہے۔ جناب کلیم شوق لے کر گئے مگر وصل مقصود حد مقصود تک نہ ہوا۔ چنانچہ انھوں نے کہا رَبِّ اَرِنِیْ (یعنی اے رب مجھے اپنا آپ دکھا) جواب دیا گیا لَنْ تَرٰانِیْ (یعنی تو مجھے نہیں دیکھ سکتا) فرق بالکل ظاہر ہے۔ حضرت کلیم اللہ علیہ السلام کو یہ جواب نہیں دیا گیا کہ لَنْ یَّرَانِیْ اَحَدٌ (یعنی مجھے تو کوئی بھی نہیں دیکھ سکتا)

گویا اے موسیٰ تمہیں انکار ہے مگر سب کو انکار نہیں۔ تم تو نسبتاً بہت ہی آسان سی صفاتی تجلی سے بیہوش ہو جاتے ہو۔ اس لئے تمھارے لئے لن ترانی کا جواب مناسب ہے۔

حضور ﷺ نے اپنے اللہ کو دیکھا یا نہیں۔ اس عنوان پر علماء کرام میں بحث رہی ہے۔ میں عرض کرتا ہوں اگر سب کے لئے دیدار خداوندی ناممکن ہوتا تو موسیٰ علیہ السلام سے لَنْ تَرَانِیْ (یعنی تو نہیں دیکھ سکتا) کے بجائے لَنْ یَّرَانِیْ اَحَدٌ (یعنی مجھے کوئی نہیں دیکھ سکتا فرمایا جاتا ہاں ہاں 'لَنْ تَرَانِیْ' سے ظاہر ہوتا ہے کہ سب کے لئے دیدار ناممکن نہیں کم از کم ایک تو ایسا ضرور ہونا چاہئے۔ جو دیدار کر کے لَنْ تَرَانِیْ کی معنویت کے ظہور کا سبب ہو ورنہ اگر ایک بھی دیدار کے قابل نہ ہو تو لَنْ تَرَانِیْ کا جواب فصاحت ہی کے خلاف ہوگا۔

اب پھر وہی بات جو حضرت خلیل علیہ السلام کے باب میں کہی گئی کہ وہ اپنی خواہش سے گئے تھے یہاں بھی دہرائی جاتی تھی۔ حضرت موسیٰ کلیم اللہ علیہ السلام کا بھی یہی حال ہے، مگر صاحب معراج حبیب خدا ﷺ کو باقاعدہ بلایا گیا تھا اور اس پر خود اسریٰ بھی شاہد ہے۔ ٹھیک فرمایا کسی نے

طور اور معراج کے قصے سے ہوتا ہے عیاں ۔۔۔ اپنا جانا اور ہے ان کا بلانا اور ہے

بلکہ اسریٰ کے قرآنی لفظ کے علاوہ حدیث پاک کا حضور ﷺ کو بار بار ادن منی (میرے قریب ہو) فرمایا جانا اس حقیقت کو بہت زیادہ واشگاف کردیتا ہے۔ اعلیحضرت نے خوب فرمایا

بڑھا اے محمد ﷺ، قریں ہو احمد، قریب آ سرور مجد ﷺ نثار جاواں یہ کیا ندا تھی، یہ کیا سماں تھا، یہ کیا مزے تھے

سیدھے سادھے انداز میں یوں سمجھئے کوئی کسی کو بڑے اہتمام سے بلائے، معززین کے ایک ہجوم کو مہمان کے لئے سواری دے کر بھیجے، راستے میں مختلف منزلوں پر استقبالیہ کمیٹیوں کا اہتمام بھی کرے اور جب وہ محبوب منزل مقصود کے بالکل قریب آجائے تو صاحب خانہ گھر کے دروازے بند کرے اور ملنے سے انکار کردے۔ اگر عام اخلاقیات میں اس کا تصور نہیں ہوسکتا تو رب محمد ﷺ کی شان بندہ نوازی کے تو قطعاً خلاف ہے کہ جس محبوب کو اس نے خود بلایا ہے اسی کو دیدار نہ کرائے۔ یہاں تو جو صورت حال تھی اس کے تصوراتی نقشے کے مطابق بقول حضرت اقبال علیہ الرحمہ یہ فرمایا جارہا تھا

قدم بیباک ترنہ درحریم جان مشتاقاں تو صاحبخانۂ آخر چراد زدانہ می آئی

عبدیت: اب آخر میں ایک اور وضاحت بھی ضروری ہے۔ معراج ہوئی تو اس کی بنیاد یا وجہ کیا تھی۔ اگلے لفظ پر غور کیجئے بعبدہ (اپنے عبد کو) گویا معراج کا سبب اور بنیاد بندے کا ذوق بندگی ہے۔ جو جتنا عبد (یا بندہ) ہے یا جس میں جتنی بندگی (یا عبدیت) ہے، اس کو اتنی ہی معراج کرائی جائے گی۔ بندگی کامل ہوگی تو معراج بھی کامل اور اگر بندگی کامل ترین ہو تو معراج بھی کامل ترین۔ امام ربانی حضرت سیدنا مجدد الف ثانی قدس سرہ نے بھی عام صوفیہ صافیہ علیہم الرحمتہ کے علم الرغم محبت کی بجائے عبدیت کو افضل قرار دیا ہے۔ میرا حاصل مطالعہ یہی ہے کہ سب اولیاء اللہ کاملین ہیں۔ اسی لئے ہر ولی کے لئے فارسی اور اردو تصوف کی کتابوں میں لفظ کامل استعمال ہوا ہے۔ مثلاً ع بوسہ زن بر آستان کاملے اندرسے قلب و روح کی بیماریاں نکل جائیں اور پرواز روحانی میں جو رکاوٹیں ہیں دور ہوجائیں تو بندہ کامل ہوجاتا ہے۔ حضرت مولانا روم علیہ الرحمہ اور ان کے مرید صادق حضرت اقبال علیہ الرحمہ 'کامل' اور 'کاملان' جیسے الفاظ عام استعمال میں آئے ہیں۔ چنانچہ ہر ولی کامل اور جوں جوں ترقی کرتا ہے، کامل تر ہوتا جاتا ہے۔ ہر نبی بھی اللہ کا عبد تو ہے مگر اس کی عبدیت ولی کی عبدیت کے مقابلے میں بہت زیادہ کامل اور بلند ہوتی ہے۔ پھر نبیوں میں جس کو جتنی فضیلت حاصل ہے، دراصل اس کی عبدیت کے حساب سے ہے۔ عرض جوں جوں عبدیت میں ترقی ہوگی، فضائل میں اضافہ ہوگا۔ ہم جیسے گنہگار تو کسی ولی کی عبدیت کو نہیں سمجھ سکتے، چہ جائیکہ کسی نبی علیہ السلام کی عبدیت کو سمجھنے کا دعویٰ کریں اور سمجھانا تو اور بھی مشکل ہوتا ہے۔ پھر ان انبیاء و مرسلین علیہم السلام کا سید و سالار اور مقدام و امام وہ محبوب ﷺ یکتا ہے۔ جو پیکر عبدیت ہے اور جس نے اپنی امت کو اپنی رسالت سے بھی پہلے اپنی عبدیت کی گواہی پر تیار کیا۔ دیکھو

اَشْهَدُاَنْ مُحَمَّدًا رَسُوْلُهٗ

یا اَشْهَدُ اَنْ مُحَمَّدًا رَسُوْلُهٗ وَعَبْدُهٗ نہیں کہلوایا

بلکہ ان الفاظ میں گواہی کی تلقین کی اَشْهَدُ اَنْ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ

یہاں تو گواہی کے سلسلے میں نام نامی کا مذکور ہونا ضرور تھا ورنہ قرآن پاک میں جہاں بھی عبدہ کے ساتھ نام پاک مذکور ہوا ہے، اس سے مراد حضور ﷺ کی ذات پاک ہے۔ دوسرے انبیاء علیہم السلام میں سے جس کے لئے بھی عبدہ آیا، ساتھ اسم گرامی بھی آیا، مگر ایک حضور پرنور ﷺ ہیں کہ انداز منفرد ہے۔ ہاں ہاں یکتا کے لئے انداز بھی یکتا ہونا چاہیے۔

آخر میں یہ عرض کردو کہ عبدیت اور بندگی سے کیا مراد ہے۔ اس کا آسان سا مفہوم تو ذہن کی یہ کیفیت ہے کہ میرا اپنا کچھ نہیں، سب کچھ میرے مالک کا ہے، میرے رب کا ہے۔ مالک کی رضا کے سوا کوئی رضا نہیں، مالک کے ارادے کے سوا کوئی ارادہ نہیں۔

آپ نے احادیث میں دیکھا ہوگا کہ حضور پرنور ﷺ اللہ تعالیٰ کی قسم اٹھاتے ہیں تو فرماتے ہیں وَالَّذِیْ نَفْسِیْ بِیَدِهٖ (یعنی جس کے

ہاتھ میری جان ہے) یاوَالَّذِیْ نَفْسُ مُحَمَّدٍ بِیَدِہٖ (جس کے ہاتھ محمد ﷺ کی جان ہے) مگر حضرت موسیٰ علیہ السلام قوم کے انکار جہاد کے بعد اپنی وفاداری کا اظہار کرتے ہوئے رب کی بارگاہ میں عرض کرتے ہیں۔

قَالَ رَبِّ اِنِّیْ لَآ اَمْلِکُ اِلَّا نَفْسِیْ وَ اَخِیْ فَافْرُقْ بَیْنَنَا وَبَیْنَ الْقَوْمِ الْفٰسِقِیْنَ○ (المائدہ۔۲۵)

ترجمہ: موسیٰ نے عرض کی اے رب میرے مجھے اختیار نہیں مگر اپنا اور اپنے بھائی کا تو تو ہم کو بے حکموں سے جدا رکھ

اگر چہ موسیٰ علیہ السلام کا مقام عبدیت بہت بلند ہے جہاں بڑے سے بڑا ولی بلکہ صحابی بھی نہیں پہنچ سکتا مگر دیکھو پھر بھی اپنے اور اپنے بھائی کے مالک ہونے کا اقرار کر رہے ہیں۔ مالک ہونا بھی تو ایک بات ہے اور محبوب ﷺ کریم کے یہاں جان تک کو بھی اپنے قبضے میں نہیں سمجھا جاتا۔ بندہ پیکر نیاز بن کے کہتا ہے 'میرا کچھ نہیں، سب کچھ میرے مالک کا ہے، اور مالک دلنواز اعلان کرتا ہے' سب کچھ تیرا ہے'۔ اور جو تیرا نہیں، وہ میرا نہیں۔

اب قصہ معراج شریف کی طرف غور کیجئے۔ جو اس پائے کا عبد ہے کہ خود کو کسی چھوٹی سے چھوٹی چیز کا مالک بھی نہیں سمجھتا، بلکہ اپنے خدا کو اپنی ہر شے کا مالک جانتا ہے اور انتہائے نیاز و تواضع سے اپنے خدا کی بارگاہ میں پیش ہوتا ہے، وہ کسی سیر و تفریح کا پروگرام خود کیوں بنائے اور کسی بات حتیٰ کہ ترقی یا شرف تک کا مطالبہ خود کیوں کرے، وہ تو اپنی عبدیت کے تقاضوں میں گم ہے اور اپنی ہر چیز اپنے مالک کے سپرد کر چکا ہے۔ جو عبد اس مقام تک ابھی نہیں پہنچا وہ اِنِّیْ ذَاھِبٌ (یعنی میں جانے والا ہوں) کہے گا اور جو عبدیت سے سرشار ہے اس کے لئے 'اسریٰ' کا پروگرام ہوگا۔ بلاتشبیہ محض وضاحت کے لئے عرض کیا جاتا ہے کہ جو مرید فنافی الشیخ یا اس کے قریب ہو جائے اور اپنا سب کچھ اپنے شیخ کے حوالے کر کے اسی کے اشارہ ابرو پر چلے، وہ دوسرے مریدوں سے منفرد ہوتا ہے۔ کیونکہ باقی مرید اپنا پروگرام خود ترتیب دیتے ہیں مگر جو شیخ پر سب کچھ نثار کر چکا اور اس کا مرید نہیں، 'مراد' بن گیا اس کے اہم امور کا ذمہ دار خود شیخ ہوگا۔

سیرت مقدسہ کا مطالعہ کرنے والا ہر شخص جانتا ہے کہ مکہ و طائف کے لوگوں نے اس مقصود کائنات اصل موجودات علیہ افضل الصلوات و اکمل التسلیمات کے ساتھ بدترین سلوک کیا۔ مگر پھر بھی اس حبیب پاک سرور لولاک ﷺ نے ان کے خلاف بددعا نہ فرمائی۔ آخر کیوں؟ اس خیال سے کہ یہ میرے رب کی مخلوق ہے۔ میرا کام تو اسے عذاب سے بچانا ہے، عذاب میں دھکیلنا نہیں۔ میرے ذمے ان کی حفاظت ہے، ہلاکت نہیں۔ میرے رب کو اپنی مخلوق سے پیار ہے، چنانچہ خود فرماتے ہیں۔

اَلْخَلْقُ عِیَالُ اللّٰہِ فَاَحَبُّ الْخَلْقِ اِلَی اللّٰہِ مَنْ اَحْسَنَ اِلٰی عِیَالِہٖ (بیہقی)

ترجمہ: ساری مخلوق (گویا) اللہ تعالیٰ کا گھرانہ ہے پس مخلوق میں سے اللہ تعالیٰ کو سب سے زیادہ پیارا وہ ہے جو اس کے گھرانے سے اچھا سلوک کرے

کون نہیں جانتا اللہ کی ساری مخلوق میں وہ شخصیت کونسی ہے جسے انسانیت کا محسن اعظم سمجھا جاتا ہے۔ (ﷺ) اور بالیقین جو انسانیت کا محسن اعظم ہے، وہی اللہ کا حبیب اعظم ﷺ بھی ہے۔ ادھر مکہ و طائف کی گلی بازاروں میں دل آزاری کی انتہا کی جا رہی ہے اور ادھر لامکاں میں دلنوازی بھی پورے جوبن پر ہے۔ ادھر زمین پر لہولہان کرنے کا سماں ہے، ادھر آسمان سے آواز آرہی ہے۔

فرش والے تری شوکت کا علو کیا جانیں
خسروا عرش پہ اڑتا ہے پھریرا تیرا

یہاں آخری مغل تاجدار کے ایک شعر سے لطف اندوز ہو جائیے۔ یہی گویا فلسفہ معراج ہے۔

دیا اپنی خودی کو جو ہم نے مٹا، وہ جو پردہ سا تھا بیچ میں نہ رہا
رہے پردے میں اب نہ وہ پردہ نشیں، کوئی دوسرا ان کے سوا نہ رہا

(انشاء اللہ اس مضمون کا بقیہ آئندہ سال اسی ماہ رجب جو چند دنوں تک مطلوع اجلال فرما رہا ہے، کی مناسبت سے نذر قارئین کیا جائے گا)

زکوٰۃ اور اس کے ضروری مسائل

......پروفیسر سائر بجنوری......

بسم اللہ الرحمن الرحیم

زکوٰۃ اسلام کا چوتھا رکن ہے، جس مسلمان کا مال حد نصاب تک پہنچ جائے، اس پر فرض ہے، جو (صاحب نصاب ہونے کے باوجود) زکوٰۃ ادانہ کرے، سخت گنہگار ہے اور (جو مسلمان کہلا کر بھی) اس کی فرضیت کا انکار کرتا ہے، دائرہ اسلام سے نکل جاتا ہے، زکوٰۃ کی ادائیگی میں دیر کرنا بھی گناہ ہے۔ زکوٰۃ کا لغوی معنیٰ ہے، کانٹ چھانٹ کرنا، بڑھنا، بڑھانا، پاک کرنا یا ہونا، شرعی معنیٰ کے اعتبار سے مال نصاب کی حد تک پہنچ کر سال بھر تک رہے تو اس کا چالیسواں حصہ خدا کے نام پر دینا زکوٰۃ ہے، لغوی اور شرعی معنوں کا تعلق یہ ہے کہ جس طرح زائد شاخوں کی کانٹ چھانٹ کرنے سے درخت کی خوبصورتی اور نشوونما میں ترقی ہوتی ہے، یونہی زکوٰۃ دینے سے مال پاک بھی ہوتا ہے، بابرکت بھی۔ کتاب وسنت میں اس کی بہت زیادہ عظمت واہمیت مذکور ہے، یہاں بغرض ایک تبرک ایک دوحوالے حاضر خدمت ہے۔

آیات پاک (۱) جولوگ سونا اور چاندی جمع کر رکھتے ہیں اور اللہ کی راہ میں انھیں خرچ نہیں کرتے، اے محبوب! ﷺ) انھیں دردناک عذاب کی بشارت دے دیجئے (۲) اس (قیامت کے دن) یہ سونا چاندی آتش جہنم میں تپا کر ان کے ماتھوں، پیٹھوں اور کروٹوں پر داغا جائے گا (اور کہا جائے گا) یہ وہ (مال) ہے جسے تم جمع کرتے تھے، سواب چکھو مزا اس کا جو سنبھال کر رکھا کرتے تھے۔ (سورۃ التوبہ)

چند احادیث شریفہ

۱۔ خشکی اور تری میں جو مال تلف ہوتا ہے، وہ زکوٰۃ نہ دینے سے ہوتا ہے۔ (طبرانی)

۲۔ اسلام کا پورا ہونا یہ ہے کہ اپنے مال کی زکوٰۃ ادا کرو۔ (بزار)

۳۔ جو اللہ اور اس کے رسول پر ایمان رکھتا ہے، اس پر لازم ہے کہ اپنے مال کی زکوٰۃ ادا کرے (طبرانی)

۴۔ زیور کی زکوٰۃ نہ دینے سے وہ زیور قیامت کے دن آگ کے کنگن بن جائیں گے۔

چند ضروری مسائل: ۱۔ حاجت اصلیہ کی اشیاء (یعنی جو چیزیں اصل ضرورت کی ہیں) مثلاً پہننے، اوڑھنے اور بچھانے کے کپڑے، خانہ داری کا سامان (فریج، ایئر کنڈیشن وغیرہ بھی اس میں شامل ہیں) سواری کے جانور یا دوسری چیزیں، لوہار ترکھان وغیرہ کاریگروں کے اوزار و آلات، کارخانے کی مشینری، حکیم ڈاکٹری کی طبی کتابیں اور ایکسرے جراحی وغیرہ کی چیزیں پر زکوٰۃ نہیں (البتہ جو مشینری تجارت کیلئے بنائی جاتی ہے اور خام مال جو کارخانے میں موجود ہوتا ہے، اس پر زکوٰۃ واجب ہے)

۲۔ مکانات، زمین، موتی، ہیرے جواہرات وغیرہ پر بھی زکوٰۃ نہیں، بشرطیکہ انھیں تجارت کی نیت سے نہ رکھا جائے۔

۳۔ آلات پر زکوٰۃ نہیں مگر ان کا کرایہ حد نصاب تک پہنچ جائے تو زکوٰۃ ہے۔

۴۔ سونے چاندی کے زیورات یا برتن یا ان سے بنی ہوئی دیگر اشیاء تجارت کے لئے ہوں یا نہ ہوں، سال گزرنے پر زکوٰۃ واجب ہوجائے گی۔

۵۔ وہ قرضہ جس کے ملنے کی امید ہے، اس کی زکوۃ بھی دی جائے گی۔

۶۔ نصاب کا مالک ہے سر پر قرضہ بھی ہے اور قرضہ ادا کرنے کے بعد نصاب نہیں رہتا تو زکوۃ واجب ہے۔

۷۔ زرعی زمین خواہ کتنی ہی مالیت کی ہو اس کی زکوۃ نہیں البتہ پیداوار پر مختلف صورتوں میں عشر (دسواں حصہ) یا نصف عشر (بیسواں حصہ) واجب ہے۔

۸۔ نابالغ پر زکوۃ فرض نہیں۔

۹۔ جنوں (پاگل پن) سارا سال رہے تو زکوۃ واجب نہیں، ہاں اگر سال کے آخری حصے میں افاقہ ہو جائے تو زکوۃ واجب ہے (عالمگیری وغیرہ)

۱۰۔ جو عورتیں نصاب کی حد تک سونے چاندی کے زیورات یا مال تجارت یا نقد رقم کی مالک ہیں، اگرچہ بیوہ ہوں، ان پر زکوۃ واجب ہے۔

۱۱۔ شوہر پر لازم نہیں کہ اپنی بیوی کے مال کی زکوۃ ادا کرے۔

۱۲۔ زکوۃ دیتے وقت زکوۃ کی نیت ضروری ہے، اگر یونہی خیرات کی نیت سے دیا تو زکوۃ ادا نہ ہوئی۔

۱۳۔ سال پورا ہونے سے پہلے زکوۃ کی نیت سے تھوڑا تھوڑا دیتا رہے تو جائز ہے اور سال پورا ہونے پر حساب کر لے۔

۱۴۔ رشتہ دار اگر مستحق ہوں تو انھیں زکوۃ دینا بہتر ہے، حضور سید عالم ﷺ فرماتے ہیں۔

"اے امت محمد ﷺ! مجھے اس کی قسم جس نے مجھے حق کے ساتھ بھیجا، اللہ تعالیٰ اس شخص کا صدقہ قبول نہیں فرماتا جس کے رشتہ دار تو اس حسن سلوک کے محتاج ہوں اور وہ دوسروں کو دیتا پھرے، قسم ہے اس کی جس کے دست قدرت میں میری جان ہے، اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اس کی طرف نظر نہیں فرمائے گا۔

اس سے واضح ہوا کہ زکوۃ و خیرات اپنے مستحق عزیزوں اور رشتہ داروں کو دینا افضل ہے نفلی صدقات تو ہر رشتہ دار کو دیئے جا سکتے ہیں البتہ زکوۃ، فطرانہ اور واجب صدقات اپنے اصول (یعنی وہ رشتہ دار کہ زکوۃ دینے والا ان کی اولاد میں سے ہو، مثلاً بیٹا، بیٹی، پوتا، پوتی، نواسہ، نواسی وغیرہ) کو نہیں دے سکتا، ہاں بہن، بھائی اور ان کی اولاد، چچا، پھوپھی اور ان کی اولاد، ماموں، خالہ اور ان کی اولاد وغیرہ کو زکوۃ دی جا سکتی ہے، بشرطیکہ وہ محتاج ہوں)

۱۵۔ بنی ہاشم کو زکوۃ یا صدقات واجبہ (مثلاً فطرانہ) نہیں دے سکتے، نہ ایک ہاشمی دوسرے ہاشمی کو۔ بنی ہاشم سے مراد حضرت علی، جعفر، عقیل، عباس اور حارث بن عبدالمطلب رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی اولاد ہیں۔

۱۶۔ نصاب (یعنی مال کی کم سے کم مقدار جس پر زکوۃ ادا کرنا ضروری ہوتا ہے)

سونے کا نصاب	۲۰ مثقال یعنی ساڑھے سات تولے
چاندی کا نصاب	۵ اوقیہ یعنی ساڑھے باون تولے

ساڑھے سات تولے سونے یا ساڑھے باون تولے چاندی کی قیمت کے برابر نقد رقم یا مال تجارت اگر اس نصاب پر پورا سال گزر جائے تو اس کا چالیسواں حصہ یا اس کی قیمت یا اس قیمت کے کپڑے یا کوئی اور چیز زکوۃ کے طور پر دینا واجب ہے۔

۱۷۔ کسی کے پاس سونا یا چاندی نصاب کی حد تک نہیں پہنچتے تو سونے کی قیمت کی چاندی اور چاندی کی قیمت کا سونا فرض کر کے ملائیں نصاب بن جائے تو بہتر ورنہ زکوۃ نہیں، اگر سونا چاندی کے علاوہ نقد رقم ہو تو تینوں کو ملا کر دیکھا جائے کہ نصاب بنتا ہے کہ نہیں، بنے تو زکوۃ ضروری ورنہ نہیں۔

خبر جماعت اہلسنت پاکستان

شیر اہلسنت حضرت علامہ مولانا محمد افضل قادری صاحب
امیر جماعت اہلسنت پاکستان تحصیل شکرگڑھ
جناب محمد ندیم عباس قادری صاحب
ناظم اعلیٰ جماعت اہلسنت پاکستان تحصیل شکرگڑھ
رانا محمد ذوالفقار قادری صاحب
نائب امیر جماعت اہلسنت پاکستان تحصیل شکرگڑھ
مولانا محمد رضا رحمانی صاحب
سٹی امیر جماعت اہلسنت پاکستان تحصیل شکرگڑھ
جناب حاجی اخلاق احمد صاحب نقشبندی
ناظم تعلیم و تبلیغ جماعت اہلسنت پاکستان تحصیل شکرگڑھ،

شکرگڑھ میں کسی قسم کے معاملے میں (جائز ہونا چاہئے) تعاون حاصل کرنے کے لئے امیر صاحب سے رابطہ کریں اگر نہ ملیں تو ناظم اعلیٰ سے رابطہ کریں انشاء اللہ مسئلہ حل ہو جائے گا۔ (فون پر بھی رابطہ کر سکتے ہیں)

0301-6892430 ، 0301-6891330

محمد ندیم عباس قادری ناظم اعلیٰ جماعت اہلسنت پاکستان تحصیل شکرگڑھ

سفر معراج شریف

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نحمدہ و نصلی و نسلم علیٰ رسولہ الکریم

طلب مطلوب ہوئی، طالب مطلوب گئے

پاس محبوب کے، محبوب کے محبوب گئے

ماہ رجب المرجب قدیم زمانے سے مقدس ومحترم سمجھا جاتا تھا، مگر اس کی ستائیسویں رات کو جب حبیب کبریا، سلطان دوسرا، امام انبیاء علیہم الصلوٰۃ و السلام معراج شریف سے مشرف ہوئے تو اس کی عظمتوں کو اور بھی چار چاند لگ گئے۔

پس منظر: معراج شریف کا واقعہ ۱۱ نبوی میں رونما ہوا۔ اس دور میں اہل مکہ کی طرف سے اسلام کی مخالفت انتہا کو پہنچ چکی تھی اور ابوجہل اور ابولہب وغیرہ تو پہلے دن سے ہی دعوت اسلام کو روکنے کے درپے تھے اور انہوں نے اس چراغ کو گل کرنے کی ہر ممکن کوشش کی تھی۔ مگر اب ان کی سازشوں اور ریشہ دوانیوں میں بہت اضافہ ہو چکا تھا، انہوں نے کچھ عرصہ پہلے بنی ہاشم کے ساتھ مقاطعہ (سوشل بائیکاٹ) بھی کیا جو پورے تین سال جاری رہا، اہل مکہ نے ایسی ناقدری کی تو حضور رحمۃ للعلمین ﷺ نے طائف کا رخ کیا۔ شاید وہیں کوئی سعید روح مل جائے، وہاں بھی ایک غلام عداس کے سوا کسی نے آواز حق پر لبیک نہ کہی، واپس مکہ تشریف لائے تو مخالفین اور بھی سخت پائے، آپ کے چچا جناب ابوطالب کو بھی الٹی میٹم مل گیا کہ بھتیجے کا ساتھ چھوڑ دو یا خطرناک نتائج کیلئے تیار ہو جاؤ، چچا بھی گھبرا گئے تو رحمت عالم ﷺ کی چشم مبارک میں آنسو آ گئے، فرمایا، چچا! یہ قریش اگر میرے دائیں ہاتھ پر سورج اور بائیں ہاتھ پر چاند بھی لا کر رکھ دیں تو بھی اپنے رب کے فرمان کی تعمیل سے باز نہ آؤں گا، چچا نے یہ استقامت دیکھی تو دوبارہ عہد وفا باندھا، ایک دنیوی سہارا یہ تھا تو دوسرا اہلیہ محترمہ خدیجہ الکبریٰ رضی اللہ عنہا کا، دونوں ۱۰ نبوی میں دنیا سے رخصت ہو گئے (اناللہ وانا الیہ راجعون) اب ظاہر مشکلات میں جو اضافہ ہوا، اس کا اندازہ کون کر سکتا ہے۔

یہی وہ صورت حال تھی، جس میں محبوب ﷺ کو عظمت معراج عطاء ہوئی، یعنی دنیا نے اس عظیم و بے مثل شخصیت کی، جس کے لئے دنیا بنائی گئی تھی، قدر نہ پہچانی تو ان کے رب نے انہیں اپنے پاس بلایا، کیونکہ وہی اپنے محبوب کو شان عطا فرمانے والا ہے اور وہی اس شان کو سب سے زیادہ جانتا ہے، دنیا نے بظاہر رخ پھیر لیا، مگر جس کی طرف رخ تھا، اس نے دنیا سے بہت بلند بلکہ بہت ہی بلند، جہاں کسی کا وہم تک نہیں پہنچ سکتا تھا، بلایا اور بے پردہ دیدار بخشا، اعلحضرت علیہ الرحمۃ نے بارگاہ رسالت علی صاحب الصلوۃ والسلام میں اسی بنا پر عرض کیا ہے

فرش والے تری شوکت کا علو کیا جانیں

خسروا عرش پہ اڑتا ہے پھریرا تیرا

نیز پاس بلا کر دلجوئی کرنا اور اس کشمکش کا انجام دکھانا بھی مقصود تھا کہ

مٹ گئے، مٹتے ہیں، مٹ جائیں گے اعدا تیرے

نہ مٹا ہے، نہ مٹے گا کبھی چرچا تیرا!!!

عظمتوں کا حصول: قدرت نے عظمتوں کے حصول کا یہی قاعدہ مقرر کیا ہے کہ جو راہ حق میں جتنا صابر ہوگا، اتنا عظیم ہوگا، انسانوں میں سب سے زیادہ مرتبہ انبیائے کرام علیہم السلام کو ملا ہے اس لئے مصائب و آلام سے بھی زیادہ دو چار وہی ہوئے ہیں، حدیث پاک میں ہے

اشھد الناس بلاء الا نبیاء ثم الاقرب فالاقرب

ترجمہ: انسانوں میں سب سے سخت بلائیں انبیائے کرام علیہم السلام پر آئیں، پھر ان پر جو ان سے زیادہ قریب تھے پھر ان پر جو (ان دوسروں سے) زیادہ قریب تھے۔

سب سے بڑی معراج: انبیائے کرام علیہم السلام میں سب سے

زیادہ حضور اکرم نور مجسم ﷺ کو ستایا گیا، اور سب سے زیادہ حضور ﷺ نے ہی صبر و استقلال کا مظاہرہ فرمایا، لہٰذا دوسرے انبیاء و مرسلین علیہم السلام کو بھی اپنے اپنے درجے اور شان کے مطابق معراج ہوئی مگر سب سے بڑی معراج سے حضور اکرم ﷺ ہی مشرف ہوئے، دوسرے انبیائے کرام علیہم السلام کو معراج تو فرش ہی کے کسی مقام پر ہوئی مگر حضور اکرم ﷺ کو بالائے عرش بلکہ عرش سے بھی ستر ہزار حجابات آگے بلکہ بہت آگے، جہاں نہ سمت ہے نہ وقت' یوں سمجھئے، مکان و زمان کی تمام حدیں' موت و حیات کی ساری تفاوتیں اور نبوت و رسالت کی مقدس عظمتیں نیچے ہیں اور رب کے محبوب اعظم علیہ الصلوٰۃ والسلام آگے بلکہ بہت ہی آگے نکل گئے، اس قرب کا اندازہ کون کر سکتا ہے، قرآن حکیم نے اسے قاب قوسین اوادنیٰ (یعنی کمان کے دوسرے بلکہ ان سے بھی قریب) سے تعبیر فرمایا ہے، پھر یہ تمام سفر لیلاً یعنی رات کے تھوڑے سے حصے میں ہوا، واپس تشریف لائے تو بستر گرم تھا اور زنجیر بھی ہل رہی تھی، اعلیٰحضرت فرماتے ہیں

خدا کی قدرت کہ چاند حق کے، کروڑوں منزل میں جلوہ کر کے
ابھی نہ تاروں کی چھاؤں بدلی کہ نور کے تڑکے آلئے تھے!

ان معراجوں میں ایک اور فرق: انبیاء کرام اور حضور اکرم ﷺ کی معراج میں ایک اور نمایاں فرق یہ بھی ہے کہ وہ حضرات اپنی مرضی اور جذبے سے اپنی منزل معراج کی طرف گئے مگر حضور سید المرسلین علیہم السلام کو فرشتوں کی جماعت بھیج کر دعوت دی گئی اور وہ بھی ان الفاظ کے ساتھ

یا محمد ان ربك مشتا ق الیٰ لقائك

ترجمہ: اے ذات ستودہ صفات، بیشک تیرا رب تیری ملاقات کا مشتاق ہے۔

دیدار خداوندی: یہاں سے دیدار خداوندی کا مسئلہ بھی حل ہو جاتا ہے، یعنی یہ ناممکن ہے کہ پہلے بلا لیا جائے' اور جب مہمان آجائے تو ملنے سے انکار کر دیا جائے یہ بلائے جانے کی کیفیت قرآن حکیم کے لفظ ''اسریٰ'' سے بھی ظاہر ہے، جس کا معنی ہے'' سیر کرائی''۔ یعنی حضور اکرم ﷺ خود نہیں گئے، بلکہ خالق کائنات چاہتا تھا، اپنے محبوب کو بلا کر تمام حجابات اٹھا دیئے جائیں اور جنت و دوزخ ہی نہیں، عرش و کرسی بلکہ بے شمار آیات ربہ الکبریٰ (محبوب کے رب کی بڑی بڑی نشانیاں) بلکہ خود اپنی ذات دکھا دی جائے۔

آیت معراج کے آخر میں انه هو السميع البصير (بیشک وہ سننے والا دیکھنے والا ہے) کے مفہوم میں بھی مفسرین نے حضور اکرم ﷺ کے دیدار خداوندی کو شامل سمجھا ہے۔ سورۃ النجم میں ہے

ولقد ر اہ نزلة اخریٰ٥

اور انہوں نے تو وہ جلوہ دوبارہ دیکھا۔

پھر قاب قوسین او ادنیٰ سے بھی یہ بات ظاہر ہوتی ہے۔ تفاسیر میں ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام وہ صفاتی تجلی جو سوئی کے ناکے کے کروڑویں حصے میں سے تھی' برداشت نہ کر سکے اور یہاں خود ذات باری کا مشاہدہ ہو رہا ہے اور وہ بھی اس انداز سے کہ مازاغ البصر وما طغیٰ٥

ترجمہ: آنکھ نہ کسی طرف پھری نہ حد سے بڑھی

لطافت جسم پاک: آپ جانتے ہیں سوتے وقت ہمارا جسم تو اپنی خواب گاہ میں ہی رہتا ہے مگر روح اپنی لطافت کی وجہ سے دنیا بھر کی سیر کر آتی ہے، آسمانوں کی سیر بھی بغیر لطافت کے ناممکن ہے۔ انبیائے کرام علیہم السلام کا مختلف آسمانوں پر ملنا بھی' روحانی' طور پر تھا۔ فرشتے آسمانوں پر رہتے ہیں تو اپنی روحانیت و نورانیت کی بناء پر ہی، ہمارے آقا و مولا ﷺ اگر عرش معلی بلکہ اس سے بھی آگے بلکہ خاص بارگاہ رب العزت جل جلالہ میں حاضر ہوئے تو اپنے جسم پاک کے ساتھ' نتیجہ یہ نکلا کہ انبیاء کرام علیہم السلام کی ارواح اور قدسیان عرش کے انوار میں بھی وہ لطافت نہیں جو سرکار دو عالم نور مجسم ﷺ کے جسم پاک میں ہے، اعلیٰحضرت کے نزدیک جسم پاک خود تجلی کی جان ہے عرض کرتے ہیں

اللہ رے تیرے جسم منور کی تابشیں
اے جان جاں میں جان تجلا کہوں تجھے

حضور اکرم ﷺ کے جسم پاک کا سایہ نہیں تھا، اس کی وجہ تھی، حضرت سیدنا مجدد الف ثانی علیہ الرحمہ کے نزدیک یہی ہے، آپ فرماتے ہیں، چونکہ سایہ اپنے اصل سے ہمیشہ لطیف ہوتا ہے اور حضور اکرم ﷺ سے زیادہ لطیف چیز دنیا میں ناممکن ہے لہٰذا حضور ﷺ کا سایہ بھی ناممکن ہے۔ قابل غور بات یہ ہے کہ جسم کا تعلق بشریت کے ساتھ ہے، جب حضور اکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی بشریت یا جسم انبیائے کرام علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ارواح اور فرشتگان عرش کے انوار سے زیادہ لطیف ہے، آپ ﷺ کی اصل حقیقت اور روح کس قدر لطیف ہو گی، حضرت مولائے روم رحمۃ اللہ علیہ حضور اکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی بارگاہ بیکس پناہ میں عرض کرتے ہیں

اے ہزاراں جبرائیل اندر بشر
بہر حق سوئے غریباں یک نظر!

یعنی اے وہ ذات پاک جس کی بشریت میں ہزار ہا جبریل (علیہ السلام) گم ہیں' خدا کے لئے ہم غریبوں کی طرف بھی ایک نظر ہو جائے۔ (آمین)

☆......☆......☆

ایک ایمان افروز کہانی

چاند تارے اور پرچم

مشکور حسین یاد

میں جب بھی پاکستانی پرچم دیکھتا ہوں مجھے اپنا چھوٹا سا ماموں انتظار حسین بے ساختہ یاد آجاتا ہے اور پھر اس کی یاد کے ساتھ ان بے شمار بچوں کی یاد آتی ہے جو قیام پاکستان سے قبل اپنے ننھے منھے ہاتھوں میں چاند تارے کے اس پرچم کو سنبھالے گلی کوچوں میں یہ نعرہ لگاتے پھرتے تھے" لے کے رہیں گے پاکستان"۔

انتظار حسین نانا عنایت حسین کا سب سے چھوٹا بیٹا تھا۔ ۱۹۴۷ء میں اس کی عمر بارہ ساڑھے بارہ سال کی تھی۔ ظاہر ہے وہ اپنے دوسرے ہم عمروں کی طرح مختلف کھیلوں سے جی بہلاتا ہوگا۔ لیکن منڈی ڈبوالی کے آخری قیام کے دوران میں اسے میں نے جس کھیل میں سب سے زیادہ دلچسپی لیتے دیکھا۔ وہ پرچم کا کھیل تھا یعنی وہ چاند تارے کا جھنڈا بناتا۔ اسے سرکنڈے یا پتلے بانس میں باندھ کر بلند کرتا اور پھر اپنے دوستوں کو ساتھ لے کر بڑے فخریہ انداز میں تمام محلے میں گھومتا پھرتا۔

سکول جانے سے پہلے پرچم کے سامنے کھڑے ہو کر باقاعدہ سلیوٹ کرنا انتظار حسین کا معمول تھا۔ اسی طرح وہ سکول سے واپس آتے ہی سب سے پہلے پرچم پر ایک محبت بھری نظر ڈالتا اس نے یہ پرچم اپنی کتابوں کی الماری کے کنڈے میں لگایا ہوا تھا۔ کیا مجال جو کوئی اسے ذرا ادھر ادھر کر سکے۔ تمام بہن بھائیوں کو ہدایت تھی کہ پرچم کو بالکل ہاتھ نہ لگائیں ایک دوپہر کو انتظار جیسے ہی سکول سے آیا۔ تو ہنگامہ برپا ہو گیا۔

پتہ چلا کہ اس کے جھنڈے کو کسی نے ٹیڑھا کر دیا تھا۔ میں نے کہا:

"انتظار ماموں، اگر جھنڈا ذرا ٹیڑھا ہو گیا ہے تو اس پر اتنا شور مچانے کی کیا ضرورت ہے تھوڑا سا ہاتھ لگانے سے سیدھا ہو جائے گا۔"

مجھے خشمگیں نگاہوں سے دیکھتے ہوئے بولا" آپ کو یہ بھی معلوم نہیں کہ جھنڈے کا ٹیڑھا ہونا یا جھکنا بری بات ہے ویسے یہ بے عزتی بھی ہے۔ ماسٹر جی کہتے تھے جھنڈے کو ہمیشہ اونچا اور سیدھا رکھنا چاہئے۔"

ایک دفعہ انتظار حسین بیمار ہو گیا۔ ڈاکٹر نے کڑوی دوا تجویز کی تھی اور وہ اسے کسی طرح پینے کو تیار نہ تھا۔ آخر نانا عنایت حسین صاحب کو ایک تدبیر سوجھی انتظار سے کہنے لگے" بیٹا، تم دوا پی لو' میں تمھارے جھنڈے کے لئے ریشمی کپڑا لا دوں گا"۔ انتظار نے باپ کی شرط قبول کرتے ہوئے فوراً دوا پی لی۔

اتوار کا دن تھا۔ میں ناشتہ کر کے صحن میں بیٹھا اخبار پڑھ رہا تھا کہ باہر سے نعروں کی آواز آئی۔" قائداعظم زندہ باد"۔ "مسلم لیگ زندہ باد"۔ "لے کے رہیں گے پاکستان"۔ میں اٹھ کر دروازے پر آیا تو معلوم ہوا انتظار کے ہم عمر چند دوست جمع ہیں اور ان کے درمیان انتظار پرچم سنبھالے کھڑا تقریر کر رہا ہے۔" مسلمانو! اس جھنڈے تلے جمع ہو جاؤ۔ یہ جھنڈا تمہیں آزادی دلائے گا تمہیں دنیا میں سربلند کرے گا یہ جھنڈا امن کی نشانی ہے محبت اور اخوت کی نشانی ہے۔ جو اس جھنڈے کے نیچے آ گیا سمجھ لو اس کی زندگی سنور گئی"۔ انتظار تقریر کر چکا تو میں نے اس سے کہا" ننھے ماموں، آپ تو بہت اچھی تقریر کرتے ہیں"۔ کہنے لگا" بھائی صاحب، مجھے تقریر کرنی کہاں آتی ہے۔ یہ تو ماسٹر جی نے سکھائی تھی"۔

"لیکن جب تمہارا ایک سکھ اور ہندو دوست آیا تو اس وقت تقریر کرتے ہوئے تم نے انہیں مخاطب کرتے ہوئے کہا تھا، جگدیو اور گوربچن سنگھ تم بھی اس جھنڈے کے نیچے آجاؤ، تو تمہیں بھی امن اور خو

شی ملیں گے۔'' کیا یہ الفاظ بھی ماسٹر صاحب نے سکھائے تھے؟

''لو بھائی صاحب، کیا میں اتنی سی بات اپنی طرف سے نہیں کہہ سکتا۔ یہ تو ہمارے نبی کریم ﷺ کی تعلیم ہے کہ جو شخص تم سے حفاظت کا خواہاں ہو، تم پر اسی کی حفاظت لازم ہے۔ خواہ وہ کسی مذہب سے تعلق رکھتا ہو''۔

انتظار حسین نانا عنایت حسین کا اکلوتا بیٹا تو نہیں تھا لیکن اپنی ماں کا اکلوتا ضرور تھا اس لئے وہ اسے دیکھ دیکھ کر جیتی تھیں۔ اس کے دائیں کان میں منت کا طلائی بندا پڑا ہوا تھا۔ اور گلے میں تعویز۔ ہماری نانی اسے بہت کم باہر جانے دیتی تھیں، لیکن جس وقت وہ پرچم اٹھاتا تھا پھر اسے روکنے کی کسی میں ہمت نہ پڑتی۔ آخری دنوں میں حالات بہت مخدوش ہو گئے تھے۔ انتظار اس زمانے میں بھی چاند تارے کا پرچم اٹھا کر نعرے لگانے اور بچوں کو جمع کرنے سے باز نہ آتا تھا'' قائد اعظم زندہ باد۔ لے کے رہیں گے پاکستان، پاکستان کا مطلب کیا لا الہ الا اللہ۔'' ماں بہت منع کرتی، لیکن وہ ایک نہ سنتا۔ انتظار کی اسی ضد پر ایک دن تو قصبے میں فساد ہوتے ہوتے رہ گیا، ہوا یہ کہ کسی ہندو بچے نے انتظار سے دیکھنے کیلئے پرچم مانگا۔ انتظار نے اپنا دوست سمجھتے ہوئے پرچم اس کے حوالے کر دیا اتفاق سے پرچم اس ہندو دوست کے ہاتھ سے نکل کر زمین کو چھو گیا۔ بس پھر کیا تھا۔ انتظار اور اس کے دوسرے ساتھی لڑکے اس لڑکے پر پل پڑے۔ بڑی مشکل سے حالات پر قابو پایا۔ ہندو لڑکا کہہ رہا تھا۔'' میں نے جان بوجھ کر ایسا نہیں کیا۔'' انتظار اور اس کے ساتھی کہتے تھے۔'' تو نے جھنڈے کو مضبوطی سے کیوں نہ پکڑا۔ آج ہمارے ہاتھ سے جھنڈے کا جھکنا یا زمین سے لگ جانا تو بڑی بات ہے کبھی اس میں معمولی سا خم نہیں آیا تو نے احتیاط سے کام نہیں لیا۔ غفلت برتی اب اس کی سزا بھگت۔''

رات کے دس گیارہ بجے کا وقت ہوگا سب گھر والے جاگ رہے تھے انتظار سو رہا تھا کہ یکا یک خواب میں بڑبڑانے لگا۔ کچھ لمحوں بعد اس کی آواز بالکل صاف ہوگئی، وہ کہہ رہا تھا'' میں جھنڈے کو ہاتھ سے نہیں چھوڑوں گا۔ ہاں ہاں! تم مجھے قتل کر سکتے ہو میں مرنے کی پرواہ نہیں کرتا۔ خبردار، خبردار جو تم نے اسے ہاتھ لگایا۔ ابا جی، ابا جی یہ لوگ مجھے مارنے کو آرہے ہیں۔'' اتنے میں انتظار کی آنکھ کھل گئی سب لوگ ہنسنے لگے۔ نانی بولی!

'' معلوم نہیں کیا وجہ ہے۔ آج کل اس لڑکے کو عجیب طرح کے خواب آرہے ہیں۔ کل دوپہر بھی سویا ہوا اسی طرح چلا رہا تھا کہ تم مجھے کیوں مارتے ہو۔ میں نے بگاڑا ہے۔'

نانا عنایت حسین کہنے لگے'' اس میں پریشان اور حیران ہونے کی قطعی ضرورت نہیں۔ حالات اچھے جو نہیں ہیں اور پھر جسے خدا رکھے اسے کون چکھے۔ زندگی ہے تو کوئی بال بیکا نہیں کر سکتا اور سچ پوچھو تو پہلے میں انتظار کی باتوں پر دھیان نہیں دیا کرتا تھا۔ اب اسے پرچم اٹھائے دیکھتا ہوں تو یوں محسوس ہوتا ہے جیسے میری بوڑھی رگوں میں تازہ لہو دوڑنے لگا ہے اور میں ملت کیلئے کوئی بڑا اہم کام سرانجام دے رہا ہوں۔''

'' لیکن آج کل انتظار کا اس طرح گلی کوچوں میں جھنڈے لئے پھرنا ٹھیک نہیں''۔ ماں بولی'' کیوں؟'' نانا نے پوچھا

'' آپ نے ابھی خود کہا ہے کہ حالات خراب ہیں۔''

'' مگر میرے کہنے کا یہ مطلب نہیں کہ ہم پاکستان کا نام بھی نہ لیں۔ اپنا پرچم بھی اٹھا کر نہ چلیں۔''

'' دیکھ لیجئے، اس میں مجھے تو خطرہ نظر آتا ہے۔''

'' عورتوں کو خطرے کے علاوہ بھی کبھی کچھ نظر آیا ہے۔ بیگم، اس طرح ڈرو گی تو آزادی کی راہوں سے کیسے گزرو گی۔ حوصلے کی ضرورت ہے۔'' منڈی ڈبوالی میں حالات خراب ہونے سے قبل ہی نانا عنایت حسین صاحب نے اپنے گھر والوں سے کہہ دیا تھا کہ اول تو اتنی فرصت ہی نہیں ملے گی اور اگر بالفرض محال مل بھی جائے۔ پھر بھی گھر سے نکلتے وقت کوئی فرد اپنے ساتھ سامان لیکر نہیں چلے گا۔ تھوڑی بہت نقدی اور زیورات جو گھر میں تھے عنایت حسین صاحب نے اپنے ایک ہندو دوست کے پاس رکھ دیئے تھے۔ چنانچہ ۲۴ اگست کو منڈی ڈبوالی میں مسلمانوں کے قتل عام کے بعد ہمیں گھر سے نکال کر پولیس چوکی لایا گیا تو ہمارے ساتھ کوئی سامان نہیں تھا۔ رات کو ہم لوگ جب تھانہ ڈبوالی پہنچے اور ہم نے خود کو محفوظ محسوس کیا۔ تو دن بھر کی قیامت پر تبصرہ

کرنے کے بعد سب اپنے اپنے ضروری سامان کا ذکر کرنے لگے، نانا عنایت حسین بولے۔ "انتظار کو تو اپنے جھنڈے کے کھوئے جانے کا افسوس ہوگا۔" انتظار نے فوراً اپنی قمیض کے نیچے سے ہاتھ نکالتے ہوئے کہا ابا جی، یہ دیکھئے، میں اسے اپنے ساتھ لے آیا ہوں۔"

ہمیں تھانہ ڈبوالی میں دو تین روز ٹھہرنا پڑا۔ میں نے دیکھا۔ انتظار حسین ہر وقت جھنڈے کے کپڑے کو اپنے سینے سے لگائے رکھتا تھا۔ ۲۷ اگست کی سہ پہر کو ہم لوگ ہندو پولیس کی حفاظت میں بذریعہ موٹر لاری حصار کیلئے روانہ ہوئے۔ ہمیں راستے میں ہر آبادی پر ہندو اور سکھ مسلح نظر آتے۔ ایک دفعہ جیسے ہی ہماری موٹر آبادی کے درمیان سے گزرنے لگی انتظار حسین نے ہندو سکھ ہجوم کو دیکھ کر اپنے پرچم کا کپڑا لاری کی کھڑکی سے باہر لا کر ہوا میں لہرا دیا ہندو تھانیدار نے سخت برہم ہوکر نانا عنایت حسین سے کہا "میر صاحب یہ تو بڑی زیادتی ہے آپ کا بچہ اس جھنڈے کو دکھا کر ہجوم کو مشتعل کرنا چاہتا ہے میں آپ کی حفاظت کا قطعی ذمہ دار نہیں۔" نانا عنایت حسین نے انتظار کو ڈانٹ پلائی اور پرچم کو اس سے چھین لیا۔ ہم ایک طرح سے مرتے مرتے بچے۔ کیونکہ یہ حقیقت ہے اگر کچھ دیر اور اسی طرح پرچم کو لہرائے رکھتا تو دشمن ہم پر ضرور حملہ کر دیتا

انتظار نے حصار میں ہمارے گھر آ کر پہلا کام یہ کیا کہ میری والدہ سے پوچھا۔ "باجی! یہ بتائیے کہ آپ کے ہاں کوئی فالتو بانس ہے؟ میں جھنڈا بنانا چاہتا ہوں۔" انتظار نے چاند تارے کا پرچم بنایا بھی اور اسے لہرایا بھی اور اس شان سے لہرایا کہ یہ پرچم ہمیشہ بلند ہو کر لہراتا رہے گا۔ اس اجمال کی تفصیل یہ ہے کہ ۲۹ اگست ۱۹۴۷ء کو جب ہمارے گھر پر قیامت ٹوٹ چکی اور آدھی رات کے قریب مجھے پیاس نے ستایا تو میں پانی کی تلاش میں اپنے پیاروں کی لاشوں سے بے نیاز اس سہ دار تک پہنچنے کیلئے دوسرے صحن میں آیا جس میں کچھ پانی ملنے کا امکان تھا۔ میں پانی پی کر جیسے ہی واپس ہوا میں نے دیکھا کہ انتظار حسین بے حس و حرکت چاروں شانے چت پڑا ہے اور اس کے سرہانے چاند تارے کا پرچم لہرا رہا ہے۔ میں نہیں کہہ سکتا۔ میرے چھوٹے سے ماموں پر کیا گزاری۔ لیکن یہ عجیب اتفاق ہے کہ ایسے عالم میں بھی وہ پرچم سے دور نہ ہوا۔ ہو سکتا ہے اسے خیال آیا ہو کہ کہیں دشمن اس کے پرچم کی بے حرمتی نہ کر دے اور اس خیال کے آتے ہی اس نے پرچم کی طرف قدم بڑھائے ہوں اور اس کے پاس زخمی ہو کر گر پڑا ہو۔ انتظار نے پرچم کھڑا کرنے کا طریقہ ہمارے ہاں بھی قریب قریب وہی استعمال کیا جو وہ اپنے گھر کرتا تھا۔ یعنی دروازے کی کنڈی سے پرچم کے بانس کو باندھ دیا تھا۔ میں نے رات کو یہی سمجھا کہ انتظار مر چکا ہے لیکن صبح کو جب دشمن اس کی لاش کو آگ لگانے لگے۔ تو ان میں سے کسی نے کہا "ارے" یہ لڑکا تو زندہ ہے اس کی سانس بھی چل رہی ہے لیکن یہ ٹکٹکی باندھے اوپر کی طرف کیا دیکھ رہا ہے؟" اتنے میں دوسرا بولا

"سنو' یہ تو کچھ کہہ بھی رہا ہے۔"

تیسری آواز آئی۔ 'چھینٹا چھینٹا کہہ رہا ہے۔ غالباً کہتا ہے میرے منہ پر پانی کا چھینٹا مارو" پہلی آواز نے کہا "پانی کی بجائے اس کے منہ پر پٹرول ڈالو۔ ابھی اس کی ساری تمنا پوری ہو جائے گی۔" ان الفاظ کے ساتھ ہی بھک سے آگ کے شعلے بلند ہو گئے۔ میں نے انتظار کی بہن کی آواز سنی جس کی عمر اس وقت چار سال سے زیادہ نہ تھی۔ معلوم نہیں یہ بچی کہاں چھپی ہوئی تھی۔ انتظار کی زندہ لاش کو آگ لگی تو وہ پکار پکار کر کہہ رہی تھی۔ "بھیا جی اٹھو تمہیں آگ لگ رہی ہے۔"

میں سمجھتا ہوں انتظار کو جس چیز نے تمام رات زندہ رکھا اور جس چیز کی طرف وہ آخری وقت ٹکٹکی باندھے دیکھتا رہا اس کا پرچم تھا۔ اخوت اور آزادی کا نشان۔ پاکستان کی عزت اور آبرو۔۔۔ غالباً انتظار مرتے مطمئن تھا کہ اگر وہ اس دنیا سے رخصت ہو رہا ہے تو کیا ہوا۔ کم از کم اس کے ماسٹر صاحب کے فرمان کے مطابق اس کا پیارا پرچم سیدھا اور سربلند ہے۔۔۔ اسے تو کوئی نہیں جھکا سکا۔۔ پرچم کی سربلندی کے منظر سے وہ اس قدر متاثر ہوا کہ اس نے پوری رات اس کے دیدار میں گزار دی۔ (اگرچہ اس کی جان اس کی آنکھوں میں کھینچ کر آ گئی تھی) کون کہہ سکتا ہے قیام پاکستان کے وقت انتظار کی طرح کتنے معصوم بچوں نے چاند تارے کے پرچم کی خاطر اپنی جان کی بازیاں لگا دی تھی۔

☆......☆......☆

سہرا مبارک

معراج مبارک حضور سرور کونین خاتم النبیین ﷺ

☆

پروفیسر محمد یونس حسرتؔ

ادب اے دل ادب، ہے صاحب معراج کا سہرا — نبی ﷺ اور نبی ﷺ کے رخت وتخت وتاج کا سہرا
ازل سے تا ابد کے راج کے مہراج کا سہرا — زمین و آسماں کے فخر کا ، سرتاج کا سہرا

بشر کے اوج عالی شان کا اعلان یہ سہرا
عروج مشتِ خاکی کی حد امکان یہ سہرا

ظہور شانِ یکتائی ہے اس سہرے کے لڑیوں میں — عبودیت کی زیبائی ہے اس سہرے کی لڑیوں میں
فلک کی جلوہ آرائی ہے اس سہرے کی لڑیوں میں — زمیں کی ساری رعنائی ہے اس سہرے کی لڑیوں میں

نیازِ بے نیازی کا جلی عنوان یہ سہرا
ہے نقاشِ ازل کے شوق کا دامان یہ سہرا

اسی سہرے سے دنیا میں بہا رِ جاں فزا آئی ! — جہانِ شب گزیدہ میں ہدایت کی ضیاء آئی !
رسالت کا چمن مہکا ، سعادت کی ہوا آئی! — ملا ہر درد کو درمان ، ہر دکھ کی دوا آئی!

دلیل کن فکاں کا فیض بے پایان یہ سہرا
رہِ ظلمت میں ہے تنویر کا سامان یہ سہرا

اسی سہرے سے دنیا کو ہے جنت کی نوید آئی — شہ خیر البشر ﷺ کی شان رحمت کی نوید آئی !!
گنہگارانِ امت کو شفاعت کی نوید آئی — غلاموں کو زمانے کی امامت کی نوید آئی

کلیدِ بابِ رحمت، منزل ایمان یہ سہرا
زمین کا بخت ہے، افلاک کی ہے شان یہ سہرا

اسی سہرے کی نکہت نے جہاں کو زندگی بخشی — زمیں کو حسن بخشا ، حسن کو تا بندگی بخشی!!
فضا کو دی ہے رعنائی ، ہوا کو نغمگی بخشی! — نظر کو روشنی دی ہے ، دلوں کو تازگی بخشی

جگر کو گرمئ ایمان کا سامان یہ سہرا
جبیں کو بندگی کے ناز کا ارمان یہ سہرا

اسی سہرے سے سورج چاند تاروں نے چمک پائی — ہوئی بلبل ترنم ریز، غنچوں نے چٹک پائی!
صبا نے ہے خرام ناز، گلشن نے مہک پائی — صدف نے ہے گہر پایا، گہر نے ہے دمک پائی!

زمیں کی آبرو ہے تو فلک کا مان یہ سہرا
یہاں سے ہے وہاں تک سر بسر احسان یہ سہرا

اسی سہرے کے صدقے بزم عالم پر نکھار آیا — ازل کے بے قراران محبت کو قرار آیا

جہانِ کُن کے خالق کو جہانِ کُن پہ پیار آیا
کوئی بگڑی جہاں کی ایک پل بھر میں سنوار آیا

اسی ہستئ عالی کی نرالی شان یہ سہرا
اس عالی شان والے کا ہے عالی شان یہ سہرا

جناب سرور عالم ﷺ کی عظمت کا یہ سہرا ہے
سراپا رحمت و برکت شفاعت کا یہ سہرا ہے
شہِ بزمِ رُسل ﷺ کی شان و شوکت کا یہ سہرا ہے
شبِ معراج ، معراجِ رسالت کا یہ سہرا ہے

برنگِ نو کھِلا ہے نعت کا بُستان یہ سہرا
ہے فیضانِ حضورِ خواجۂ گیہان ﷺ یہ سہرا

اسی سہرے کی برکت کا جہاں نے رنگ یہ دیکھا
ہوا ہے موجزن ذکر نبی ﷺ کے فیض کا دریا
ہر اک ، خرد و کلاں کے لب پہ ہے ذکرِ شہِ بطحا
بیاں ذکرِ نبی ﷺ کے فیض کا حسرت کروں میں کیا؟

ہے خود ذکر نبی ﷺ کے فیض کا فیضان یہ سہرا
زباں کی آبرو ہے یہ، سخن کی جان یہ سہرا

معراج سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم

کمال اوج تک مجد و شرف فضل وعلیٰ پہنچے
حریم کبریا تک جب حبیب کبریا پہنچے
میں اس رفتار پر قرباں کہاں پل بھر میں جا پہنچے
حرم سے آئے اقصیٰ تک وہاں سے تا دنیٰ پہنچے
عجب کیا لامکاں تک گر شہ ارض و سماء پہنچے
حقیقت ہے یہ اپنے محمد مصطفیٰ پہنچے
جمال منتہیٰ تک وجد و شوق و ذوق کیا پہنچے
بر انور پر ، انوارِ میں نورِ خدا پہنچے
حقیقت کی حقیقت تک ، حقیقت شنا پہنچے
خبر کی جان بن کر مبتدا تک مبتدا پہنچے
قدم آنکھوں میں لے کر عرش جھوما ، رقص میں آیا
نہ جانے کب سے روتا تھا ، کہ محبوب خدا پہنچے
وہی پہنچے ہوئے ہیں اور وہی پہنچانے والے ہیں
اسے پہنچا ہوا سمجھو جو ان کے در پہ جا پہنچے!
یہاں اظہار مطلب کیلئے اک شعر سن لیجئے
حقیقت تک وگرنہ کیسے فکر نارسا پہنچے

شہود وحدہ تک عبدہ و رسولہ آئے
بہ حسن مقطع آسی مطلع نظم صفا پہنچے

پروفیسر محمد حسین آسی

۷۸۶/۹۲

یا قبلۂ عالم حضور نقش لاثانی شیأاللہ

اسماعیلی (آغا خانی) مذہب

﴿سعید محمد عامر نقشبندی﴾

طرف جارہا ہو۔ جیسے جہنم سے فرار ہو کر سوئے جنت جارہا ہو۔

تعارف :اسماعیلی مذہب' شیعہ فرقہ کی ایک شاخ ہے۔ یہ مذہب اسماعیل بن جعفر صادق کی طرف منسوب ہے جو کہ اپنے والد کی زندگی میں ہی انتقال کر گئے تھے۔ جب حضرت امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ کا وصال ہوا تو شیعہ تین گروہ ہو گئے۔ ایک گروہ نے ان کے بیٹے امام موسیٰ کاظم رضی اللہ عنہ کی امامت کو مان لیا۔ دوسرے نے اسمٰعیل کے بیٹے محمد کو امام مانا کیونکہ ان کے نزدیک باپ امام تھا تو بیٹا بمقابلہ بھائی زیادہ حقدار ہے۔

تیسرا گروہ حضرت اسمٰعیل کی حیات کا قائل ہے۔

پہلا گروہ امامیہ میں شمار ہوتا ہے جبکہ پچھلے دونوں فرقے **اسماعیلیہ** کہلائے اسماعیلی مذہب کے پیروکار جنوبی و وسطی افریقہ' شام' پاکستان اور زیادہ تر انڈیا میں آباد ہیں۔

اسماعیلی مذہب کی مختصر تاریخ: یہ مذہب باطل عراق میں پروان چڑھا۔ تاہم ذلیل و رسوا ہوا اور اس کے پیروکاروں کو فارس' خراسان' ترکستان وغیرہ ممالک کی طرف پسپا ہونا پڑا۔ جہاں ان کے عقائد قدیم فارسی و ہندی خیالات سے گڈمڈ ہو گئے۔ بعد میں بدھ مت اور دیگر مذاہب کے آوارہ خیالات کی یہ جلوہ گاہ بنا اور یوں عجیب وغریب اور مختلف النوع افکار ونظریات کا ایک معجون مرکب (مذہب اسماعیلیہ) تیار ہوا۔ چنانچہ یہی وجہ ہے، اسماعیلی مذہب میں متعدد فرقے پیدا ہوئے۔ یا یوں کہہ لیں کہ یہ مذہب متعدد روپ دھار کر مختلف ناموں سے منظر پہ آتا اور اپنے کفریہ عقائد کی بنا پر پٹتا رہا۔

اسماعیلیہ کے تاریخی نام

باطنیہ :۔ ابتداء میں انہیں باطنیہ کے نام سے موسوم کیا گیا۔ ان کو باطنیہ' ان کے اس عقیدے کی وجہ سے کہا جاتا رہا کہ شریعت کا ایک ظاہر ہے اور ایک باطن، عام لوگ محض ظاہر کا علم رکھتے ہیں باطن کا علم فقط امام کو معلوم ہوتا ہے۔ انہیں اپنے عقائد چھپانے کی بنا پر بھی باطنیہ کہا گیا۔

بابکیہ :۔ زمانہ معتصم باللہ بن ہارون الرشید ۲۲۰ ھ میں بابک نامی عجمی شخص نے آذربائیجان میں خروج کیا تھا اور اہل اصفہان و ہمدان نے اس کی متابعت کر لی تھی۔ یہ تناسخ کا قائل تھا۔ اسے پیروکاروں نے بابک خرم دین کا نام دیا۔ اور خود اس نسبت سے خرمیہ کہلائے اس بدبخت نے ماں، بہن، بیٹی وغیرہ محرمات کے ساتھ نکاح جائز قرار دیا۔ انہی سیاہ عقائد کی بنا پر خلیفہ وقت نے حیدر بن کاؤس کو اس سے جنگ پر مامور کیا جسکی کوشش سے بابک مغلوب ہو کر ۲۲۳ ھ میں مارا گیا۔

تعلیمیہ :اسماعیلیہ کو تعلیمیہ بھی کہا جاتا رہا، اس عقیدہ کی بنا پر کہ بغیر تعلیم امام' کسی شخص کو اللہ کی معرفت نصیب نہیں ہو سکتی۔

معطلہ: نسیم الریاض شرح شفائے قاضی عیاض کے مطابق اسماعیلیہ معطلہ میں سے ہیں یعنی وہ لوگ جو الوہیت' رسالت اور احکام کے منکر ہیں۔

مبارکیہ: یہ مبارک کی طرف منسوب ہیں جو محمد بن اسماعیل بن امام جعفر صادق کا غلام تھا۔ اس نے کوفہ میں اسماعیلی مذہب کا پرچار کیا اور محمد بن اسماعیل کو خاتم الائمۃ (آخری امام) اور مہدی موعود قرار دیا۔

میمونیہ: یہ لوگ عبداللہ بن میمون قداح اہوازی کے متبع تھے۔

جس کے دور میں اسماعیلی مذہب کی کافی اشاعت ہوئی۔ صواعق محرقہ میں مذکور ہے کہ ابن میمون فنون شعبدہ وسحر وطلسمات خوب جا نتا تھا۔ اس نے کوہستان عراق میں پھر بصرہ میں بزور طلسمات لو گوں کو اپنا معتقد بنانا شروع کر دیا۔ یہ قرآن وحدیث کے ظاہر مفہوم پر عمل حرام بتاتا تھا۔ حشر اور جزا وسزا کا منکر تھا۔ میمونیہ کو ہی باطنیہ کہا گیا کیونکہ ابن میمون نے ہی طریقہ باطنیہ نکالا تھا۔

خلفیہ: صواعق محرقہ میں لکھا ہے کہ یہ فرقہ خلف کا متبع تھا۔ یہ قیامت اور جنت ودوزخ کے منکر ہیں۔

قرامطہ: غنیۃ الطالبین میں لکھا ہے کہ قرامطی کہتے ہیں کہ محمد بن اسماعیل بن جعفر صادق موافق وصیت اپنے باپ کے امام ہیں۔ وہ زندہ ہیں اور مہدی ہیں۔ قرامطہ کے بانی کے حوالے سے مختلف اقوال ہیں۔ یہ حرام چیزوں کو مباح جانتے۔ شراب کو حلال کہتے اور ناپاکی کے بعد غسل کے قائل نہ تھے۔

برقعیہ: یہ محمد بن علی برقعی کے پیرو ہیں۔ احکام شرع کے منکر اور نصوص کی تاویل کرنے والے ہیں۔ بعض انبیاء کا بھی انکار کرتے اور ان پر لعنت کرنے کو واجب جانتے ہیں (معاذ اللہ)۔ معتضد خلیفہ عباسی کے لشکر نے ۲۷۰ھ میں اسے شکست دے کر قیدی بنا لیا اور پھر بغداد میں سولی چڑھا دیا گیا۔

جنابیہ: یہ ابوسعید بن حسن بن بہرام جنابی کے متبع ہیں۔ حشر ونشر کے منکر تھے۔ تیسری صدی میں ابوسعید جنابی موسم حج میں مکہ شریف ایک بڑی جمعیت لے کر چڑھ آیا اور تین ہزار حاجیوں کو قتل کیا۔ یہ ۳۰۱ ہجری میں اپنے ایک خدمتگار کے ہاتھ سے حمام میں مارا گیا تو اس کا بیٹا ابوطاہر سلیمان قائم مقام ہوا۔ یہ ملک بحرین پر قابض ہوا۔ ۳۱۷ ہجری میں موسم حج میں لشکر لے کر آیا اور امیر مکہ ابن محلب اور ساتھیوں کا قتل عام کیا۔ مسجد حرام میں گھوڑے باندھے۔ حاجیوں کو بے دردی سے شہید کیا۔ سخت ترین بے ادبیوں کا مرتکب ہوا۔ حجرا سود اکھڑوا کر بائیس سال اپنے پاس رکھا یہاںتک کہ ۳۳۹ ہجری میں خلیفہ عباسی مطیع اللہ ابوالقاسم مفضل بن مقتدر نے تیس ہزار دینار میں خرید کر واپس اسکی جگہ رکھوا دیا۔

مہدویہ: یہ لوگ اس بات کے قائل ہیں کہ عبداللہ جس نے اپنا لقب مہدی رکھا تھا امام ہیں۔

دیصانیہ: یہ دیصان کی طرف منسوب ہیں جس نے زنا کو مباح کہا 'شراب نوشی جائز قرار دی اور انبیاء کرام کی سخت بے ادبیاں کیں۔

ان کے علاوہ مشرقی ممالک میں حسن بن صباح نے اسماعیلی عقائد کو پھیلایا۔ یہ نہایت ریاکار و مکار شخص تھا۔ اس نے اپنے طرفداروں کی ایک متشدد جماعت تیار کر کے 'ماژندران' کے پہاڑی علاقے میں ایک مضبوط قلعہ 'التموت' پر قبضہ جما کر ایک چھوٹی سی ریاست قائم کر لی۔ اس نے اپنے پیروکاروں کا ایک خاص گروہ 'فدائی' تیار کیا۔ حسن بن صباح نے ایک مصنوعی جنت بنائی، جس میں خوبصورت ترین عورتیں اغوا کر کے لائی جاتی تھیں۔ فدائیوں کو بھنگ پلا کر 'جنت' میں پہنچا دیا جاتا اور یہ عورتیں حوروں کا کردار ادا کرتیں۔ جب نشہ اترنے کے بعد انہیں 'جنت' سے باہر لایا جاتا تو نوجوان فدائی جنت اور حوروں کے شوق وصال میں امام کے ہر دشمن کو قتل کرنے کو تیار ہوتے۔ اس دہشت گرد جماعت 'فدائین' کے ذریعے حسن بن صباح نے ہزاروں صالحین' علما اور حکمران ومخالفین کو قتل کرایا۔ اس کی وفات (1124ء) کے بعد اس کے جانشین قریباً 171 سال تک قلعہ التموت اور اسکے گرد و نواح پر حکومت کرتے رہے۔ عباسی اور سلجوقی حکمرانوں نے ان کی سرکوبی کی کوشش کی مگر ناکام رہے۔ آخر ہلاکو خان 1256ء میں قلعہ التموت پر حملہ کر کے ان کا خاتمہ کر دیا۔ ماضی قریب میں اسماعیلیہ فرقہ کا مشہور امام (بمعنی بدنام) آغا خان تھا۔ جس کے پیروکار پاکستان میں بھی ہیں اور اب اسماعیلی مذہب آغا خانی مذہب کے نام سے اپنے تخریبی مقاصد کو پورا کرنے اور ملت اسلامیہ کے ایمان وعقائد پر نقب لگانے کے لئے سرگرم عمل ہے۔

عقائد وکفریات فرقہ آغاخانی: عموماً آغاخانی فرقے کے پیروکار اپنے عقائد کو پس پردہ رکھنے کی کوشش کرتے ہیں اور جہاں امید واثق ہو درجہ بدرجہ اپنے افکار منکشف کرتے ہیں۔ ان کے جذبہٴ اخفا کا یہ عالم تھا کہ ماضی میں جہاں برسر اقتدار رہوئے' وہاں

بھی اپنے افکار و آراء کو ظاہر نہ ہونے دیا۔ ذیل میں ان کے عقائد و کفریات کو نہایت اختصار سے نکات کی صورت میں تحریر کیا جاتا ہے۔ عوام الناس 'انہیں بغور پڑھیں' اور اس مرتد 'فرقے' جس کا اسلام اور اسلامی دنیا سے نام کا بھی تعلق نہیں' کے افکار سے مطلع ہوں۔ کاش ہماری حکومت بھی ہوش کے ناخن لے اور اس مذموم و مردود مذہب کی حقیقت سے آگاہ ہوکر بجائے اس کے کہ ملک عزیز کا نظام تعلیم ان کے سپرد کر کے قوم کو اخلاقی و مذہبی موت سے دوچار کرے' تعلیمی و سیاسی میدان میں ان کا داخلہ ممنوع قرار دے۔

1۔ امام مامور من اللہ ہوتا ہے۔ یعنی امام کا تقرر کسی انسان کے اختیار میں نہیں بلکہ یہ منصب خدا کی طرف سے امام کے بڑے بیٹے کو خود بخود منتقل ہو جاتا ہے۔

2۔ امام اسماعیل فوت نہیں ہوئے بلکہ مستور ہو گئے ہیں اور آئندہ پھر ظاہر ہوں گے۔

3۔ امام محمد بن اسماعیل کے بعد سلسلہ امامت ختم ہو چکا ہے۔ وہ مکمل اور آخری امام تھے۔

4۔ اختتام سلسلہ امامت کے بعد اب ان کے نائب مقرر ہوتے ہیں اور ان نائبین میں امام کی روح حلول کر جاتی ہے۔

5۔ مذہبی احکامات کا صرف ظاہری مطلب نہیں لینا چاہئے بلکہ احکام شریعت کا ایک باطنی مطلب بھی ہوتا ہے جو کہ صرف امام وقت ہی کو معلوم ہوتا ہے۔ (اس عقیدہ کی مناسبت سے یہ گروہ 'باطنیہ' بھی کہلایا)

6۔ جو علم و معرفت کا فیضان الٰہی ائمہ کو عطا ہوتا ہے، کوئی دوسرا اس میں سہیم و شریک نہیں ہوتا۔ وہ عام انسانوں کے بالائے ادراک ہوتا ہے۔

7۔ امام کسی کے سامنے جوابدہ نہیں ہوتا اور اس کے افعال (وکرتوت) کیسے بھی ہوں' کسی کو ان پر انگشت نمائی کا حق حاصل نہیں۔

8۔ اسماعیلیہ کا سلام ہے 'یا علی مدد'۔ جبکہ جواب سلام 'مولا علی مدد'۔

9۔ اسماعیلیہ کا کلمہ شہادت ملاحظہ ہو۔

اشهد ان لا الـه الا الـلـه و اشهـد ان محمد آرسول الله و اشهد ان علی الله

ترجمہ: میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اللہ کے رسول ہیں اور میں گواہی دیتا ہوں کہ علی اللہ ہیں (یا علی اللہ سے ہیں) نعوذ باللہ۔ اس کلمہ میں اشهد ان علی الله عبارت کفر ہے۔

10۔ اسماعیلی و آغا خانی فرقہ کے مطابق وضو کرنا ضروری نہیں' دل کی صفائی چاہئے۔

11۔ آغا خانیوں کے نزدیک نماز میں قبلہ رو ہونا ضروری نہیں۔

12۔ ان کے مذہب میں پانچ وقت نماز فرض نہیں۔ (پانچ نمازوں کا منکر معمولی علم و عقل کے مالک انسان کے نزدیک بھی کافر ہے۔)

13۔ آغا خانی فرقے کا عقیدہ ہے کہ روزہ اصل میں کان' آنکھ اور زبان کا ہوتا ہے۔ کھانے پینے سے روزہ باقی رہتا ہے۔ یہ واجبی نام نہاد روزہ بھی دس بجے اختتام پذیر ہو جاتا ہے بلکہ نہ بھی رکھے تو ان کے مطابق فرض نہیں یعنی یہ کھلے بندوں روزے کی فرضیت کے منکر ہیں۔

14۔ آغا خانی باقی ارکان اسلام کی طرح فرضیت حج کے بھی انکاری ہیں۔ کہتے ہیں کہ خانہ کعبہ کی زیارت کی بجائے ہمارے امام کا دیدار کافی ہے۔ اس لئے کہ زمین پر خدا کا روپ صرف حاضر امام ہے۔ **(نعوذباللہ)**

15۔ ان کا یہ عقیدہ بھی نہایت مکروہ ہے کہ گناہوں سے معافی امام کے اختیار میں ہے۔

16۔ یہ انسان نما مخلوق حشر اور جزا و سزا کی بھی منکر ہے۔ ان کے نزدیک یہی دنیاوی زندگی سب کچھ ہے۔

(اسلامی مذاہب۔ مذاہب الاسلام۔ شکشھن مالا مطبوعہ **اسماعیلیہ ایسوسی ایشن** برائے ہند بمبئی۔ قلائد الجواہر فی احوال الجواہر۔ تاریخ مذہب آغا خانی۔ تاریخ اسلام۔ چوبیس زہریلے سانپ)

اس مختصر مضمون سے یہ بات بالکل واضح ہے کہ آغا خانی مذہب ایک شیطانی و کفری مذہب ہے۔ جس کے قبیح و ناپاک افکار کا کسی صورت بھی اسلام سے کوئی تعلق نہیں۔ امت مسلمہ سے یہ درخواست ہے کہ خدارا ہوش کے ناخن لیں اور داخلی و خارجی سطح پر ہر میدان میں ان کی سرکوبی کیجئے تاکہ دیگر باطل مذاہب کی طرح یہ بھی اپنی موت آپ مر جائے۔

واہ کیا جود و کرم ہے شاہ بطحا تیرا

پروفیسر محمد حسین آسی

قسط: 2

کچھ عنایات ہی محدود نہ معدود الطاف
کون ہے جو کرے تیری طرح دشمن کو صاف
چور حاکم سے چھپا کرتے ہیں یاں اس کے خلاف
تیرے دامن میں چھپے چور انوکھا تیرا !

تربیت کا تیری شہکار ہیں تیرے اصحاب
جن کے ذروں سے چمک پائیں نجوم و مہتاب
تیری صحبت، تیرے جلوے نے انھیں کر دیا جنس نا یاب
آنکھیں ٹھنڈی ہوں ، جگر تازے ہوں، جانیں سیراب
سچے سورج دلآرا ہے اجالا تیرا !

نام محشر کا جو ہونٹوں پہ بھی آ جاتا ہے
کثرت عصیاں کا ڈر جان کو کھا جاتا ہے
کوئی سمجھائے اسے کیوں یہ مرا جاتا ہے
دل عبث خوف سے پتا سا اڑا جاتا ہے
پلہ ہلکا سہی بھاری ہے بھروسا تیرا !

تجھے بخشی ترے اللہ نے رحمت کتنی
تیرے دامن میں بھری شفقت و برکت کتنی
کارگر کون یہ سمجھے ہے شفاعت کتنی
ایک میں کیا ، مرے عصیاں کی حقیقت کتنی
مجھ سے سو لاکھ کو کافی ہے اشارہ تیرا

سخت مہلک تھی میری بے بصری، بے ہنری
عمر بے ما یہ بھی لہو و لعب میں بیتی
پھر بھی کام آئی سدا بندہ نوازی تیری
مفت پالا تھا کبھی کام کی عادت نہ پڑی
اب عمل پوچھتے ہیں ہائے نکما تیرا

عرض ہے اے میری پیغامبر جود و نوال
یوں تو خلق حسن میں ہے آپ اپنی مثال
دلنوازی ہے مگروہ کہ خدا اس پہ کمال!
تیرے ٹکڑوں پہ پلے غیر کی ٹھوکر پہ نہ ڈال
جھڑکیاں کھائیں کہاں چھوڑ کے صدقہ تیرا

جس سے ناداری کو ہو عار ، وہ نادار ہوں میں
جس سے بیکاری بھر شرمائے ، وہ بیکار ہوں میں
پھر بھی اے جان کرم ، بندۂ سرکار ہوں میں
خوار و بیمار وخطا وار و گنہگار ہوں میں
رافع و نافع و شافع لقب آقا تیرا

نفس و شیطان کے حملے ہیں شہا پے در پے
ایسے اعدا کے مقابل ہے یہ بندہ لاشے
اک تیری عادت ہی کر سکتی ہے یہ مسئلہ طے

ایسا بیمار کہ بیماری کے چشمے پھوٹیں
ایسا گرداب کہ طاعت کے سفینے ڈوبیں
کیا کروں عرض شہا میل ہوں کیا کیا دل میں

کیا پڑی غیر کو جو حال ہی آکر پوچھے
اور پوچھے تو مری بات من و عن سمجھے
پھر جو سمجھے تو مرے دکھ کا مداوا بھی کرے

ساری دنیا کا نکما کہ بروں کا بھی برا
کسی صورت کسی انعام کے قابل ہی نہ تھا
پھر بھی اے جان کرم! تو نے نہ خالی رکھا

اے شہنشاہ مدینہ ، اے معلی القاب
زندگی ہو جو تیرے شوق سے کالی تو سراب
خار ہوں تیرے تبسم سے حقیقت کے گلاب

پھیلتے جاتے ہیں اب خواب ابدا کے سائے
راہ تاریک تو پر ہوں شہا سنائے
مجھ سا بد کیا کرے جب سبھی ہیں اچھے اچھے

آہ اے شافع محشر ، سرِ مکی ، مدنی
تیرے جھنڈے کے تلے ہوں گے نبی اور ولی
دور ہو گی تیرے کوثر سے جہاں تشنہ لبی

تیرے جلوے سے غنی آقا ہے خورشید نہ ماہ
عقل و ایماں کی ہے تابندہ اسی نور سے راہ
مطلع نور و تجلی ہے غرض تیری ، درگاہ

علم و عرفاں سے ورا ہے جو تیری شان رفیع
از پئے قرب و زرِ بن و بزیلان بقیع
کہتا ہے مثل رضا آسی سگ شیخ و وقیع

میری تقدیر بری ہو تو بھلی کر دے کہ ہے
محو و اثبات کے دفتر میں کڑوڑا تیرا

تو جو چاہے تو ابھی میل مرے دل کے دھلیں
کہ خدا دل نہیں کرتا کبھی میلا تیرا !

کس کا منہ تکیئے ، کہاں جایئے ، کس سے کہیئے
تیرے ہی قدموں پہ مٹ جائے یہ پالا تیرا

تو نے اسلام دیا ، تو نے جماعت میں لیا
تو کریم ، اب کوئی پھرتا ہے عطیہ تیرا

موت سنتا ہوں ستم تلخ ہے زہرابۂ تاب
کون لا دے مجھے تلووں کا غسالہ تیرا

دور کیا جانئے ، بدکار پہ کیسی گزرے
تیرے در پہ بیکس و تنہا تیرا

تیرے صدقے مجھے اک بوند بہت ہے تیری
جس دن اچھوں کو ملے جام چھلکتا تیرا

حرم و طیبہ و بغداد جدھر کیجئے نگاہ
جوت پڑتی ہے تیرے نور سے چھنتا تیرا

تیرے دربار میں لاتا ہے رضا اس کو شفیع
جو مرا غوث ہے اور لاڈلا بیٹا تیرا

توہین قرآن ۔۔۔ کب تک برداشت ہو گی؟

(تحریر: خواجہ محمد ناصر رحمانی)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

گوانتاموبے سے آنے والے قیدیوں نے امریکی فوجیوں کے ہاتھوں قرآن پاک کی بے حرمتی کے جن واقعات کا انکشاف کیا ہے ان میں سے ایک رپورٹ کے مطابق پانچ مرتبہ قرآن پاک کی بے حرمتی کے واقعات دھرائے گئے............

اس سلسلے میں اب تک سامنے آنے والی تفصیلات کے مطابق افغانستان اور عراق کی جیلوں میں بھی ایسے واقعات پیش آچکے ہیں۔ اخبار 'لاس اینجلس ٹائمز' کے مطابق ایک عراقی قیدی نے بتایا کہ ایک امریکی فوجی کے محافظ کتے نے قرآن مجید کو اپنے منہ میں اٹھا لیا.........ابوغریب جیل کے قیدی احمد نابی نے بتایا کہ فاکس نامی امریکی فوجی نے قرآن پاک کے نسخے پر پیشاب کر دیا۔ (نعوذ باللہ) وہ ہمارے سامنے ہر روز قرآن کے اوراق کو پھاڑ کر گندے نالے میں پھینک دیتا تھا۔ نیوز ویک کی خبر کے بعد انٹر نیشنل ریڈ کراس اور ہیومن رائٹس واچ نے بھی گوانتاناموبے اور افغانستان میں قرآن پاک کی امریکی سرپرستی میں بے حرمتی کے متعدد واقعات کی تصدیق کی ہے۔ اس سے قبل امریکی منافقت اور دوغلے پن کا ایک گرا ہوا پہلو سامنے آیا اور وہ تھا بل گارنر کا وہ کارٹون جس میں ایک کتے پر پاکستان لکھ کر اس کے منہ میں دبے ہوئے ایک معصوم خرگوش کو ابوفراج بنا کر بش کے قدموں میں رکھتے ہوئے دکھایا گیا ہے اور امریکی صدر اس کتے کو شاباش دیتے ہوئے کہتا ہے کہ گڈ بوائے۔ آؤ! اب اسامہ بن لادن کو ڈھونڈنے چلیں اور جب پاکستانی سفیر نے احتجاج کیا اور احتجاجی مراسلہ پیش کرتے ہوئے امریکہ سے احتجاج کیا تو آگے سے جواب ملا کہ یہ تو پاکستان کی سوچ کی خرابی ہے۔ ورنہ امریکہ نے تو اپنی محبت اور دوستی کا صحیح نقشہ کھینچ کر پاکستان کو اپنی امریکہ کے لئے قربانیوں کا صلہ دینے کی کوشش کی ہے۔.........ہم سمجھتے ہیں کہ یہ واقعات اچانک رونما نہیں ہوتے بلکہ امریکہ میں اسلام دشمنی کا رجحان پایا جاتا ہے۔ یہ اس کا نتیجہ ہے۔ امریکی رسالے لکھ چکے ہیں کہ قرآن پاک دہشت گردی سکھانے والی کتاب ہے۔ قرآن پاک کی بعض سورتوں اور آیات کا حوالہ بھی اس ضمن میں دیا گیا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ امریکہ اسلام دشمنی میں بالکل باؤلا ہو چکا ہے ظلم اور تشدد کی آخری حدیں پھلانگ رہا ہے۔ چنگیز اور ہلاکو کے مظالم امریکیوں کے مقابلے میں کوئی حیثیت نہیں رکھتے لیکن آج ٹائم جیسے امریکی رسالے بڑے فخر سے لکھ رہے ہیں کہ قرآن پاک کی بے حرمتی ہلاکو خاں سے لی گئی ہے۔ غرض توہین قرآن کے واقعات باؤلا پن کی انتہا ہے حالانکہ مذاہب کے مابین اخلاقی ضابطے مسلمہ حقیقت ہیں جنہیں امریکی پامال کر چکے ہیں۔ مسلمان تورات اور انجیل کو مقدس کتابیں مانتے ہیں اور کبھی ایسا واقعہ پیش نہیں آیا کہ مسلمانوں نے ان کتابوں یا دیگر مذہبی کتابوں کی توہین کی ہو، حالانکہ مسلمان یہ ایمان رکھتے ہیں کہ موجودہ حالت میں تورات اور انجیل اصل نہیں ہیں بلکہ تحریف شدہ ہیں اس کے باوجود ان کا احترام کرتے ہیں لیکن یہ امریکی باؤلا پن کا کمال ہے کہ وہ اسلام دشمن کی اس انتہا پر پہنچ چکے ہیں کہ قرآن پاک کے نسخوں کے ساتھ بدسلوکی کو اپنا شعار بنا لیا ہے

سوال یہ ہے کہ جہاں پر حالات پہنچ چکے ہیں ان میں مسلمانوں کو کیا لائحہ عمل اختیار کرنا چاہئے ہم بجا طور پر کہیں گے کہ جہاں تک قرآن کی بے حرمتی کا تعلق ہے اس کے خلاف شدید ردعمل پیش کرنا چاہئے۔ اور مسلمانوں کے درمیان اتحاد کی فضاء پیدا کرنی چاہئے۔ حکومتوں اور عوام کو ایک رخ پر امریکہ کے خلاف نفرتیں پیدا کر کے مسلمانوں کے خلاف یلغار کا راستہ بند کیا جائے۔ مسلمانوں کی کوشش ہونی چاہئے کہ وہ مغربی تسلط سے آزادی حاصل کرنے اور اسلام کو غالب کرنے کے لئے قرآن پاک کے حکم 'جہاد' پر پورے طور پر عمل پیرا ہوں۔ جہاں جہاں ظلم اور بربریت کے نشان پڑ چکے ہیں ان ظالموں نے پرتشدد کارروائیوں سے جہاد کے دروازے کھول دیئے ہیں وہاں جہاد کو پوری کوشش کے ساتھ جاری رکھنا چاہئے یہی عزت اور کامیابی کا راستہ ہے۔ اس سے علاقائی، سیاسی اور اقتصادی آزادیاں حاصل ہوں گی اور مسلمانوں کی محکومیاں ختم ہوں گی۔ جہاد سے ہی کافر خائف اور دہشت زدہ ہو کر کارروائیاں کر رہے ہیں۔ مسلمان جہاد سے کامیاب ہو سکتے ہیں اور امر ربی اور منہج قرآنی ہے۔

جہنم سے فرار

فاتح مرزائیت علامہ طاہر عبدالرزاق

☆......☆......☆

”میں صبح سے شام تک تانگہ چلاتا ہوں لیکن گھر کی دال روٹی پھر بھی نہیں چلتی۔ گھوڑے کے چارے اور دانے کا خرچہ بھی خاصا ہے۔ مختلف ضروریات کے وقت تھوڑی تھوڑی رقم جو لوگوں سے ادھار لی تھی، اب وہ دس ہزار تک پہنچ چکی ہے۔ میں بڑی مشکل سے فہیم الدین کو آٹھویں جماعت تک پڑھا سکا ہوں۔ اب غربت نے میرے ہاتھ باندھ دیے ہیں اور میری ہمت جواب دے گئی ہے لہٰذا اب میں نے یہ فیصلہ کرلیا ہے کہ فہیم الدین کو سکول سے ہٹالیا جائے“۔

کرم الٰہی کوچوان نے انتہائی رنجیدہ خاطر ہو کر اپنی بیوی حنیفاں سے کہا۔ خاوند کی یہ پریشان کن باتیں سن کر حنیفاں نے ٹھنڈی آہ بھری جیسے غربت کو نگلنے کی کوشش کر رہی ہو۔ حنیفاں ایک تابعدار بیوی کی طرح اٹھی اور دن بھر کے تھکے ہارے خاوند کو بڑی محبت سے روٹی گرم کر کے دی اور کہا کہ کھانا کھایئے۔ جان ہے تو ان دکھوں کا مقابلہ کر ہی لیں گے۔ کھانے کے دوران میاں بیوی میں گفتگو کا دور بھی چلتا رہا۔ حنیفاں ایک بہادر اور مدبر عورت تھی اس نے خاوند کو حوصلہ دیتے ہوئے کہا۔

”سرتاج! آپ فہیم الدین کی تعلیم کی کوئی فکر نہ کریں۔ اللہ نے مجھے صحت دے رکھی ہے میں لوگوں کے گھروں میں برتن مانجھ لیا کروں گی اور اس آمدنی سے فہیم الدین کی تعلیم کا سلسلہ چلتا رہے گا“۔

کرم الٰہی کوچوان مارے غصے کے کانپنے لگا اور غیرت سے اس کے نتھنے پھول گئے جن سے سانس شوں شوں کر کے نکلنے لگی۔ اس نے غصے میں کانپتے ہوئے اپنی بیوی سے کہا

”یہ کبھی نہیں ہو سکتا کہ تم میری زندگی میں لوگوں کے گھروں میں نوکری کرو یہ میری غیرت کا خون ہوگا“۔

حنیفاں نے ایک ماہر وکیل کی طرح دلائل دیتے ہوئے کہا

”محنت میں کیا عار ہے۔ میں کاسہ گدائی لے کر کسی کے گھر مانگنے تو نہیں جاؤں گی، کام کاج ہی تو کرنے جاؤں گی۔ بیٹے کو تعلیم کی راہ سے ہٹالینے سے یہ محنت مشقت کی راہ بہتر ہے“۔

آخر حنیفاں نے خاوند کو اپنے موقف کے حق میں قائل کرلیا۔

فہیم الدین واقعتاً اپنے نام کی تعبیر تھا۔ وہ ہمیشہ کلاس میں اول آتا اساتذہ اس سے بڑی محبت کرتے۔ آخر وہ وقت آگیا، جب فہیم الدین نے میٹرک کے امتحان میں پورے سرگودھا بورڈ میں تیسری پوزیشن حاصل کی۔ ماں باپ خوشی سے پھولے نہ سماتے تھے۔ محلے کے سینکڑوں لوگ آج مبارکباد دینے کے لئے ان کے گھر میں جمع تھے۔ کرم الٰہی کوچوان نے پورے محلے میں بتاشے تقسیم کئے۔ فہیم الدین کو محکمہ تعلیم سے وظیفہ ملنا شروع ہوگیا اور وہ اپنی تعلیم کا خرچہ خود اٹھانے کے قابل ہوگیا۔

فہیم الدین نے ٹی آئی کالج ربوہ میں ایف۔ ایس۔ سی میں داخلہ لے لیا۔ ایف۔ ایس۔ سی کے امتحان میں وہ پورے ضلع میں اول آیا۔ اسے ایف۔ ایس۔ سی میں بھی محکمہ تعلیم کی طرف سے وظیفہ ملا اب فہیم الدین اپنی ماں کے سامنے سخت چٹان کی طرح ڈٹ گیا اور اس نے ماں کے مشقت والے ہاتھ مضبوطی سے پکڑ کر کہا

”اماں! اب میں تجھے لوگوں کے گھروں میں کام کاج کے لئے نہیں جانے دوں گا۔ اب میں جوان ہو چکا ہوں مجھے اپنی مزید پڑھائی کے لئے حکومت کی طرف سے وظیفہ بھی ملے گا اور میں ٹیوشن پڑھا کر ابا جان کا ہاتھ بھی بٹاؤں گا۔ پیاری اماں! تجھے میری محبت کی قسم، اب تو لوگوں کے گھروں میں نہیں جائے گی“۔

ماں نے لاڈلے بیٹے کے سامنے ہتھیار پھینک دیے۔ فہیم الدین کو انجینئرنگ یونیورسٹی لاہور میں داخلہ مل گیا وہاں سے اس نے انجینئرنگ کی ڈگری امتیازی حیثیت سے حاصل کی۔ تعلیم سے فارغ ہوتے ہی اسے ایک پرائیویٹ فرم میں پانچ ہزار ماہانہ کی نوکری مل گئی اس کی اعلیٰ کارکردگی کو دیکھتے ہوئے فرم نے چھ ماہ بعد اسے انگلستان بھیج دیا۔ وہاں سے اس نے لاکھوں روپے کما کر والدین کو بھیجے کرم الٰہی

کوچوان کے گھر سے غربت رخصت ہوگئی اور پیسے کی ریل پیل نے گھر میں ایک چمک پیدا کردی۔ کرم الٰہی کوچوان نے تانگہ بیچ دیا اور وہ گھر میں فرصت کے لمحات گزارنے لگا۔ پھر فہیم الدین کی ایک امیر قادیانی گھر میں شادی کردی گئی کیونکہ فہیم الدین کے والدین بھی قادیانی تھے۔ اپنے قواعد کے مطابق ایک قادیانی مبلغ نے ربوہ میں اس کا نکاح پڑھایا۔ دو سال میں فہیم الدین کے ہاں دو بیٹے پیدا ہوئے۔ وہ انگلستان میں انتہائی خوشحال کی زندگی گزار رہا تھا لیکن دفتر میں اسے اس تکلیف کا شدت سے احساس تھا کہ مسلمان ملازمین اس کے قادیانی ہونے کی وجہ سے اس سے کھچے کھچے رہتے تھے۔ وہ اس کے ساتھ کھانا کھانے سے پرہیز کرتے تھے۔ کئی تو اس سے سلام بھی نہ لیتے تھے۔ اسے اپنی خوشی، غمی کے پروگراموں میں بھی نہیں بلاتے تھے۔ یوں فہیم الدین مسلمانوں سے کٹا کٹا سا رہتا تھا۔ ایک دن اس کا ایک انجینئر دوست ہدایت خان اس کے پاس آیا اور کہنے لگا

''فہیم الدین! آج لندن کے ویمبلے ہال میں ختم نبوت کانفرنس ہے' جس میں دنیا بھر سے علمائے کرام تشریف لا رہے ہیں۔ میں آپ کو کانفرنس میں شمولیت کی دعوت دیتا ہوں۔ جانے اور سننے میں کیا حرج ہے''۔

پہلے تو فہیم الدین کچھ ہچکچایا لیکن پھر اس نے جانے کی حامی بھر لی۔ کیونکہ ہدایت خاں نے اسے دعوت ہی اس موثر اور دل نشین انداز میں دی تھی کہ اس کے پاس دعوت کو رد کرنے کے الفاظ ہی نہ تھے۔ دونوں دوست مقررہ تاریخ پر بروقت ویمبلے ہال میں پہنچ گئے اور اگلی نشستوں پر انہیں جگہ مل گئی۔ تلاوت کلام پاک سے کانفرنس کا آغاز ہوا۔ خوش الحان قاری نے سورۃ الاحزاب' جس میں خاتم النبیین محمد عربی ﷺ کی ختم نبوت کا ذکر بڑی صراحت سے ہے' کی آیات مبارکہ کی تلاوت اس سوز سے کی کہ حاضرین پر وجد کی کیفیت طاری ہوگئی۔ تلاوت قرآن کے بعد نعت رسول مقبول ﷺ پیش کی گئی، جس میں نعت خواں صاحب نے عقیدہ ختم نبوت پر منظوم انداز میں خوب روشنی ڈالی۔ پھر تقریروں کا نورانی سلسلہ شروع ہوا۔ مقررین آتے رہے اور عقیدہ ختم نبوت اور رد قادیانیت کے موضوع پر اپنے خیالات کا اظہار فرماتے رہے۔ آخر میں ایک وجیہہ اور منور چہرہ والے بزرگ مقرر تشریف لائے۔ انہوں نے حاضرین سے خطاب فرماتے ہوئے کہا

''میں آج صرف قادیانیوں کو دعوت اسلام کے موضوع پر تقریر کروں گا۔ انہوں نے کہا کہ جہاں ہم قادیانیوں کے خلاف جہاد کرتے ہیں' وہاں ہمیں راتوں کو بیدار ہو کر اللہ کے سامنے اپنے ہاتھوں کو پھیلا کر ان کی ہدایت کے لئے پرسوز دعائیں بھی مانگنی چاہئیں۔ ہم عالمگیر نبی ﷺ کے عالمگیر امتی ہیں۔ ہمیں ہر انسان کو جہنم میں جانے سے بچانا چاہئے۔ یہ ہمارا فرض منصبی ہے کیونکہ ختم نبوت کے بعد اس کائنات میں کسی نئے نبی نے تو دنیا میں آنا نہیں، لہٰذا دعوت و تبلیغ کی ساری ذمہ داری امت محمدیہ ﷺ پر ڈال دی گئی ہے۔ اس لئے ہر مسلمان کا فرض ہے کہ جہاں وہ عقیدہ ختم نبوت کی حفاظت کرے' وہاں وہ قادیانیوں کی قادیانیت کے شیطانی پنجہ سے رہائی کی بھی بھرپور کوشش کرے''۔

انہوں نے قادنیوں سے کہا ''اے قادیانیو! تم دنیا کے ہر معاملہ میں خوب غور و فکر کرتے ہو۔ سوچ اور فکر کے گھوڑے دوڑاتے ہو۔ ایک روپے کا مٹی کا پیالہ خریدنا ہو تو خوب ٹھونک بجا کر دیکھتے ہو جوتا خریدنا ہو تو سارے بازار کا چکر لگاتے ہو۔ سبزی خریدنی ہو تو سونگھ سونگھ کر دیکھتے اور دیکھ دیکھ کر سونگھتے ہو۔ بچے کے لئے سکول و کالج کا انتخاب کرنا ہو تو ہر ہر پہلو سے جائزہ لیتے ہو۔ بیٹے یا بیٹی کا رشتہ دیکھنا ہو تو شجرہ نسب کھنگال ڈالتے ہو۔ لیکن مرزا قادیانی کو نبی ماننا ہو تو بالکل نہیں سوچتے۔ کوئی دلیل طلب نہیں کرتے۔ کبھی غور و فکر کے مراقبے میں نہیں بیٹھتے''۔

انہوں نے کہا ''عقیدہ وہ چیز ہے' جس پر تمہاری اگلی لامتناہی زندگی کا دارومدار ہے۔ عقیدہ ٹھیک ہوگا اگرچہ اعمال کم بھی ہوں گے تو نجات ہوجائے گی۔ لیکن اگر عقیدہ غلط ہوگا اور اعمال ہمالیہ پہاڑ جتنے بھی ہوں گے تو نجات نہیں ہوگی۔ تمہارے پاس موت کی آخری ہچکی تک کے لیے مہلت باقی ہے۔ اس مہلت کو اللہ تعالیٰ کی مہلت جلیلہ سمجھو۔ اس سے فائدہ اٹھاؤ کیونکہ اس مہلت کے بعد پھر کوئی مہلت نہیں ہوگی''۔

پھر جب انہوں نے جہنم اور اس کی سزاؤں کا نقشہ کھینچا تو پورا ہال کپکپا اٹھا۔ اس بزرگ عالم کی تقریر نے فہیم الدین کے دل و دماغ میں ایک طوفان بپا کردیا۔ وہ گھر آیا تو اس کے دماغ میں اس عالم کے الفاظ گونجنے لگے۔ اسے راتوں کو بڑی بڑی دیر تک نیند نہ آتی۔ وہ بستر پر دراز خلا میں گھورتا رہتا۔ اتفاق سے پندرہ دن بعد اسے ایک ماہ کی رخصت پر پاکستان جانا تھا۔ وہ اپنے اہل و عیال کے ساتھ پاکستان چلا گیا۔ رات کا کھانا کھانے کے بعد باپ، ماں اور بیٹا، تینوں بیٹھے تھے کہ فہیم الدین اپنے والدین سے کہنے لگا ''آج مجھے آپ سے ایک انتہائی اہم میٹنگ کرنی ہے'' پھر وہ انتہائی تجسس کے ساتھ اپنے باپ سے پوچھتا ہے۔

''ابا جان! آپ قادیانی کیسے ہوئے؟''

باپ جواب میں کہتا ہے ''ہم بھارت کے شہر جالندھر کے رہنے والے تھے۔ تقسیم وطن کے بعد جڑانوالہ کے ایک گاؤں میں آگئے۔ سکھوں نے ہمارا سب کچھ لوٹ لیا۔ خالی ہاتھ یہاں پہنچے۔ میں نے اور تمہاری والدہ نے سڑک کے کنارے ایک چھوٹی سی جھونپڑی بنائی اور اس میں رہنے لگے۔ میں دن کے وقت محنت مزدوری کی تلاش میں نکل جاتا۔ اگر کہیں کوئی کام مل جاتا تو رات کو کھانے کو کچھ مل جاتا ورنہ بھوکے

ہی سو جاتے ایک دن میں اسی پریشانی میں جھونپڑی سے باہر بیٹھا تھا کہ ایک سیاہ رنگ کی کار جھونپڑی کے قریب آ کر رکی۔ اس سے ایک ادھیڑ عمر شخص باہر نکلا۔ مجھے بڑی محبت سے ملا۔ میرا حال پوچھا۔ مجھے یوں محسوس ہوا جیسے یہ آدمی نہیں بلکہ اللہ نے رحمت کا کوئی فرشتہ بھیج دیا ہو۔ میں نے اسے اپنی ساری بپتا سنائی۔ دو دن کے بعد وہ آدمی پھر آیا اور ہمیں ربوہ لے گیا۔ وہاں ہمیں ایک چھوٹا سا مکان رہنے کے لئے دے دیا گیا۔ پھر اس آدمی نے مجھے ادھار میں ایک تانگہ خرید کر دیا۔ میں ربوے میں تانگہ چلانے لگا اور ہر ماہ تانگہ کی ادھار لی ہوئی رقم کا کچھ حصہ ادا کرنے لگا۔ میں نے پانچ سال میں ساری رقم ادا کر دی۔ اسی دوران میں اس کار والے شخص کے کہنے پر قادیانی ہو گیا"۔ "قادیانی ہوتے وقت آپ نے کچھ سوچا نہیں؟" فہیم الدین نے پوچھا۔ "میں نے سوچا جس شخص کا اخلاق اتنا اچھا ہے، اس کا دھرم بھی اچھا ہی ہوگا" اس کے والد نے جواب دیا۔

"ابا جی! آپ نے تبدیلی مذہب کرتے ہوئے کوئی سوچ بچار نہ کی؟"

"بیٹا! میں ان پڑھ آدمی تھا۔ اس شخص کے مالی تعاون سے ممنون ہو کر قادیانی ہو گیا"

"امی جان! کیسے قادیانی ہوئیں؟"

"بیٹا! جب میں قادیانی ہو گیا تو یہ بھی ہو گئی۔ اس بیچاری کو کیا پتہ؟"

"ابا جی! اب قادیانیت کے بارے میں آپ کی معلومات"۔

"بیٹا! میں بالکل نہیں جانتا۔ صبح تانگہ لے کر جاتا اور شام کو تھکا ہارا واپس آتا۔ آتے ہی کھانا کھاتا اور سو جاتا۔ یہی میری زندگی تھی۔ مجھے مذہب کا کیا پتہ؟ یہی حال تمہاری امی کا ہے"۔

فہیم الدین نے ایک لمبی سرد آہ بھری اور سر پکڑ کر بیٹھ گیا اور بولا۔ "ابا جی! ایمان وہ نعمت ہے جس پر دنیا کی ساری نعمتیں قربان کی جا سکتی ہیں۔ آپ نے صرف مکان اور تانگے کے عوض مذہب تبدیل کر لیا۔ آپ نے صرف ایک شخص کا مشفقانہ سلوک دیکھ کر مرزا قادیانی کو نبی مان لیا۔ اگر وہ شخص قادیانی کی بجائے عیسائی ہوتا تو آج ہم سب عیسائی ہوتے۔ اگر وہ شخص پارسی ہوتا تو آج ہم پارسی ہوتے۔ اگر وہ شخص ہندو ہوتا تو آج ہم بھی ہندو ہوتے۔ یہ تو تبدیلی مذہب کا کوئی جواز نہیں"۔

اب فہیم الدین منزل حقیقت تک پہنچنے کیلئے یوں بے چین تھا جیسے ریگستان میں کوئی بھولا بھٹکا پیاسا مسافر پانی کی تلاش میں ہو۔ وہ لاہور پہنچا اور اپنے ایک مسلمان دوست کے توسط سے ایک نامور عالم دین کے پاس حاضر ہوا اور اپنے شکوک و شبہات ان کے سامنے رکھے اور ان سے رہنمائی کی درخواست کی۔ وہ عالم دین اسے بڑی محبت سے ملے۔ بڑے تپاک سے اپنے پاس بٹھایا اور اس کے شکوک و شبہات کا جواب دیتے ہوئے کہا۔

"بیٹا نبوت کا روشن سلسلہ حضرت آدم علیہ السلام سے شروع ہوا اور حضرت محمد مصطفے ﷺ پر ختم ہو گیا۔ اس کائنات ارض و سما میں سب سے پہلے نبی آدم علیہ السلام ہیں اور سب سے آخری نبی جناب محمد رسول اللہ ﷺ ہیں۔ قرآن پاک کی ایک سو سے زائد آیات اور دو سو دس سے زائد احادیث عقیدہ ختم نبوت پر دلالت کرتے ہوئے موجود ہیں"۔ پھر انہوں نے قرآن و حدیث کی چند آیات اسے سنائیں۔

انہوں نے کہا "قادیانی نے انگریزوں کی ایک بھیانک سازش کو کامیاب کرنے کے لئے نبوت کا ڈرامہ رچایا۔ پھر انہوں نے مرزا قادیانی کی کتابوں سے وہ حوالہ جات پیش کئے۔ جس میں مرزا قادیانی نے خود لکھا ہے کہ میں انگریز کا خود کاشتہ پودا ہوں۔ انہوں نے کہا کہ مرزا قادیانی نے ظلی و بروزی نبی ہونے کا دعویٰ کیا حالانکہ کائنات میں کوئی بھی ظلی و بروزی نبی نہیں آیا۔ پھر انہوں نے مرزا قادیانی کی کتابوں سے وہ حوالے دکھائے جس میں مرزا قادیانی نے اپنی نبوت کا انکار کیا ہے اور مدعی نبوت کو کافر قرار دیا ہے۔ مرزا قادیانی کی پیشگوئیوں کے بارے میں بتایا جو گن گن کر جھوٹ ثابت ہوئیں۔ وہ گالیاں سنائیں جو مرزا قادیانی نے ملت اسلامیہ کو دی ہیں۔ مرزا قادیانی کے شراب پینے اور افیون کھانے کے حوالہ جات دکھائے۔ اللہ، رسول اللہ ﷺ، کتاب اللہ کے بارے میں مرزا قادیانی کی ہرزہ سرائی اور آخر میں اسے مرزا قادیانی کی تصویر دکھائی اور بتایا کہ نبی اپنے وقت میں دنیا کا خوبصورت ترین انسان ہوتا ہے۔ لیکن اس کی تصویر دیکھئے کہ یہ کتنا کریہہ صورت ہے۔ کیا نبی اس شکل کے ہوتے ہیں؟"

فہیم الدین کے اندر سے قادیانیت کا بت ٹوٹ پھوٹ چکا تھا۔ اس کے دل و دماغ قادیانیت کے خلاف بغاوت بپا کر چکے تھے۔ اچانک اس نے ایک جھرجھری سی لی اور اس نے بزرگ عالم دین کے پاؤں پکڑ لئے اور ان سے استدعا کی کہ میں قادیانیت سے تائب ہونے کا اعلان کرتا ہوں۔ مجھے ابھی مسلمان کیجئے اور اس نے بزرگ عالم دین کے ہاتھوں پر اسلام قبول کر لیا۔ وہ اسی رات ربوہ پہنچا' والدین اور بیوی بچوں کو اکٹھا کیا اور انہیں اپنے مسلمان ہونے کی ساری روداد سنائی۔ اس کے بعد اس نے انہیں بھی اسلام قبول کرنے کی دعوت دی، جسے ان سب نے قبول کر لیا۔ فہیم الدین اگلے دن ان سب کو لے کر لاہور آیا اور انہیں بھی اس بزرگ عالم دین کے ہاتھوں پر اسلام قبول کرایا۔ ربوہ میں ان کے اسلام قبول کرنے کی ہلکی ہلکی خبر پھیل چکی تھی اور فہیم الدین قادیانیوں کے انتقامی حربوں سے بھی آگاہ تھا۔ لہٰذا اس نے اپنے والدین اور بیوی بچوں کو لاہور چھوڑا اور خود رات کے وقت ٹرک لے کر ربوہ پہنچا۔ گھر کا سارا سامان ٹرک میں رکھا اور رات ہی کو چپکے چپکے ربوہ سے نکل آیا جب وہ ربوہ سے بھاگ رہا تھا تو اسے یوں محسوس ہو رہا تھا کہ جیسے وہ جھلستی ہوئی دھوپ سے ٹھنڈی چھاؤں کی طرف جا رہا ہو۔ جیسے لیٹروں کی بستی سے وادی امن کی طرف جا رہا ہو۔ جیسے جہنم سے فرار ہو کر سوئے جنت جا رہا ہو۔

جامعہ اویسیہ رضویہ بہاولپور میں

دورۂ تفسیر القرآن

۲۱ رجب المرجب تا ۲۱ شعبان المعظم ۱۴۲۶ھ

تدریس

مفسر اعظم پاکستان شیخ طریقت، فیض ملت

محمد فیض احمد اویسی

مد ظلہ العالی

بتاریخ 27 اگست 2005 بروز ہفتہ بعد نماز ظہر اختتام 26 ستمبر 2005 بروز سوموار

معاون مدرسین

فخر المدرسین علامہ مولانا
امیر احمد نور نقشبندی (حاصل والا)

جگر گوشۂ فیض ملت علامہ صاحبزادہ
محمد عطاء الرسول اویسی

جگر گوشۂ فیض ملت علامہ صاحبزادہ
محمد فیاض احمد اویسی

☆...... قرآن پاک کا مکمل ترجمہ وتفسیر مختلف آیات کا شان نزول قدیم وجدید دینی، اسلامی، اصلاحی، فقہی مسائل قرآن وحدیث کی روشنی میں پیش کئے جائیں گے۔ ☆...... خواہش مند حضرات سادے کاغذ پر درخواست دورہ سے دس دن قبل علاقہ کے سنی عالم دین سے تصدیق کرا کے ناظم اعلیٰ جامعہ ہٰذا کے نام روانہ فرمائیں۔ ☆...... بیرونی حضرات موسم کے مطابق بستر ہمراہ لائیں۔ ☆...... جامعہ کی طرف سے قیام وطعام کا انتظام ہوگا۔ ☆...... طالبات کیلئے باپردہ کلاس روم کا اہتمام ہے۔ ☆...... شرکائے دورہ کو علما اہلسنت کی تصانیف تحفۃً دی جائیں گی، اختتام پر دستار فضیلت اور اسناد دی جائیں گی ☆...... عمرہ کے ٹکٹ کی قرعہ اندازی کیلئے اسی فیصد حاضری ضروری ہے۔

☆...... دورہ شریف میں مع احباب شریک ہوکر قرآنی، نورانی، روحانی برکات سے مالا مال ہوں۔

شرکائے دورہ شریف کو کاروان اسلامی (انٹرنیشنل) کی جانب سے عمرہ کا ٹکٹ بذریعہ قرعہ اندازی پیش کیا جائے گا

منجانب: دارالعلوم جامعہ اویسیہ رضویہ جامع سیرانی مسجد
سیرانی روڈ بہاولپور فون: 062-2281371

الداعی: صاحبزادہ محمد ریاض احمد اویسی ناظم تقریبات

Email: Faizowaisi@yahoo.com
www.jamiaowasia.20m.com

Monthly Mujallah
AL-HAQIQA
August 2005
Reg. No. C.P.L 590